

شمال اسلام

SHAMS-UL-ISLAM, BHERA

معافین سے
غیر مالک سے

بیا دکا ز میم ملت حضرت مولانا الحاج ضیاء الرحمن صاحب قند
 زیارت مولانا الحاج افتخار احمد صاحب گوی میرزا ابوالقادر میرزا نجیب
 مخافت

عوام سے

حزب الانصار بھیرہ
اللہ کے دین کے مدگاہوں کا گروہ

اغراض و مقاصد { (۱) اہل حق و دین پرستی کے اسلام کا تحفظ، تبلیغ و اشاعت اسلام
(۲) اصلاح رسوم و اتباع شریعت اسلامیہ، احیاء و اشاعت علوم و دینیہ

طریق کار { ۱۱ } جریدہ شمس الاسلام کا اجراء (۲) والعلوم عزنیہ جامع مسجد بھیرہ چاہیے مختلف شعبوں کے ذریعہ اسلام کی بہترین خدمت انجام دے رہا ہے۔ (۳) مبلغین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کی جاوے گی۔ (۴) عظیم الشان سالانہ کانفرنس (۵) امیر حزب الانصار کا مبلغین کے ہمراہ سالانہ تبلیغی دورہ (۶) قیم خانہ (۷) کتب خانہ (۸) جامع مسجد بھیرہ کی مرمت (۹) مسلم نوجوانوں کی تنظیم۔

مروجانوں کی میٹھانہ کے قواعد و ضوابط

- ۱۔ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی ۱۱ تا ۱۵ کو پابندی وقت سے شائع ہوتا ہے۔ مضامین ہر ماہ کی پندرہ تا یلح کو وصول ہونے چاہئیں۔ مدیر کا مضمین ہنگامہ صاحبان کی رائے کے ساتھ متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔
- ۲۔ ارکان حزب الانصار کے نام جو یہ مفت بھیجا جاتا ہے چندہ رکبیت کم از کم چار آٹہ ماہوار یا تین روپیہ سالانہ مقرر ہے۔
- ۳۔ عام سالانہ چندہ معاہدین سے صر طلبہ سے لے کر مقررہ ہوئے کا پیرچہ ہر لکھ موصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے۔
- ۴۔ رسالہ باقاعدہ جانچ پڑتال کے بعد بذریعہ ڈاک بھیجا جاتا ہے بعض رسائل راستہ میں تلف ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں خریدہ کی طرف سے ہینے کے اخیر تک اطلاع موصول ہونے پر سالہ دوبارہ بھیجا جاتا ہے اطلاع نہ ملنے کی صورت میں دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔
- ۵۔ جواب کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے۔
- ۶۔ ہر رنگ ڈاک اور خط واپس ہوں گے۔
- علامہ حسین منیر رسالہ شمس الاسلام بھیرہ (پنجاب) ہونی چاہئے
- جلد خط و کتابت
وتمیل ذرا بنام

سرخ نیل کا نشان یہاں ان حضرات کے پیر سرخ نیل کا نشان لگا یا گیا ہے جن کے جذبہ کی میناد اس پرچہ کے ساتھ ختم ہو چکی ہے۔ ان حضرات کی خدمت میں درخواست کہ آئندہ سال کا چندہ بذریعہ منی آف ڈیو جلد روانہ فرمائیں۔ اگر خدا خواستہ کسی وجہ سے آئندہ خریداری کا اضافہ نہ ہو تو بذریعہ پوسٹ کا ڈھین پہلی فرصت میں مطلع کریں۔ خاموشی کی صورت میں آئندہ ماہ کا پرچہ بذریعہ وی۔ پی۔ اے۔ س۔ ل خدمت ہو گا جس کا وصول کرنا آپ کا اسلامی فرض ہو گا۔ (غلام حسین منیر شمس الاسلام)

صَمُّ بَكْمٌ عَنْیْ فَهُمْ لَا یَرْجِعُونَ ط

(طالوت)

کفر کی عزت بڑھی اسلام کا رتبہ گھٹا
 قادیان میں ہے مسیحیت کا جب سے ہم پھٹا
 چھان ڈالی ہم نے دنیا بے ارادہ بھی مگر
 میرزا محمود سادیکھانہ کوئی چہرہ کٹا
 ہم کو کہتا ہی پڑا عَمٰیْ فَهُمْ لَا یَرْجِعُونَ
 ”میں نہ مانوں“ کا سبق اس قوم نے ایسا رٹا
 برکتیں کیا کیا نہ لایا ساتھ بچیا بی بی
 زلزلہ، طاعون، ہیضہ اور وباؤں کی گھٹا
 ”پھر بہا ر آئی خدا کی بات پھر لوپی ہوئی“
 پھر کسی کی بوٹ کی ٹوچاٹتا ہے دُم کٹا

شذرات

(از سید محمد ابراہیم شاہ قیصر کاشمیری)

بچھلے کسی وقت میں اکثر حصہ زمین پر اسلامی
سلطنتیں قائم تھیں تو صرف عوام کے قلوب و اذان
ہی میں نہیں بلکہ اور اہل کان حکومت اور عائدین سلطنت
کی طرح علماء کرام اور صاحبین امت کو بھی بادشاہوں
کے ہزاج۔ ان کے دربار، ان کے کاروبار اور ہوتے
مملکت و سلطنت میں پورا پورا داخل حاصل تھا۔ ان
کے احکامات و ارشادات پر کاروبار سلطنت کی
بنیاد تھی۔ اور ان کی "یا" "یا" پر بڑے بڑے مسئلے
حل ہوتے تھے جلیقہ یا بادشاہ کو جب کوئی ہم و پیش
ہوتی تھی تو سب سے اول حضرات علمائے کرام کو ان
کے شایان شان عزت و احترام کے ساتھ مشورہ
کے لئے طلب کیا جاتا تھا۔ اور کوششوں سے ان
کی باتیں سنی جاتی تھیں۔ سارے ملک پر علماء کا اثر
تھا۔ اور علماء آج کی طرح ایک عضو معطل کی طرح
نہیں تھے بلکہ ایسے تھے کہ ان کے اثر و اقتدار اور
جاہ و جلال سے بادشاہان وقت بھی اپنے ایاں نہایت
بلند کی پرسکون خلوتوں میں خوف کھاتے تھے۔
یہاں ایک دو قصے بیان کر کے اس کی مثالیں پیش
کرنا اس لئے غیر ضروری ہے کہ اسلام کی بچھلی
ساری تاریخ ایسے ہی اثر انگیز واقعات سے لبریز
ہے۔ جب اسلامی سلطنتیں بھی نہ ہیں تو پھر حضرت
علماء و صاحبین امت کے علمی و عملی فضائل نے

اپنے اثر میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ ایک طرف
ان کے علم و فضل کی طاقتیں عوام پر اثر انداز تھیں۔
دوسری طرف ان کے اخلاق و اعمال میں ایسی قوت
جذب و کشش تھی کہ ہزاروں اور لاکھوں ہندوگان
خود اور دوسرے سے بھیج کر ان کے آستانہ عالیہ پجارت
ہوتے تھے۔ اور ان کے ارشادات و ملفوظات سے
فائدہ حاصل کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اس وجہ سے
تھا کہ اس وقت علماء اپنے منصب کی ذمہ داریوں
کو پہنچاتے تھے۔ طبع و حرص انہیں چھو نہیں گئے تھے
استغناء و توکل ان کا خاصہ تھا۔ دنیا داری سے وہ
نفرت کرتے تھے خود تکلیف اٹھانا اور دوسروں کو
پہنچانا ان کی عادت میں داخل تھا۔ کینہ، حسد اور منافقت
ان کی ہستی اور شہر میں بھی پسے کی ہمت نہیں پاتے تھے
ہدایا و تحائف کی شکل میں مناسب طور پر جو کچھ قبول
فرمایا وہ سب وہیں بیٹھے بیٹھے متعلقین کو تقسیم فرما
دیا۔ بڑی بڑی جاگیریں اور جائدادیں بھی پیش کی گئیں
تو نظر بھر کر نہ دیکھا۔ اور عمر بھر بچھے پیرانے کپڑوں
اور دکھی سوکھی مٹی پر گزارہ کرتے رہے اس سلسلہ میں دو
قصے سنئے۔

(۱) حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ مشہور
بزرگ گذرے ہیں جن کے کمالات باطنی سے ایک زمانہ
میں دلی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ ان کا زمانہ وہی ہے جسے

ادبی تاریخ کے لحاظ سے اردو کے شعراء متوسطین کا زمانہ کہا جاتا ہے اور جس میں خواجہ میر درد، میر تقی مرزا، سودا اور میر سوز کا نام قابل ذکر ہے۔ کہتے ہیں ایک بار محمد شاہ دہلی کے تاجدار ہند نے اعزاز الدولہ مرزا آقہ علی کی معرفت مرزا صاحب کی خدمت اقدس میں پیغمبر بھیجا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اتنا بڑا ملک دیا ہے۔ اس میں سے جو کچھ چاہیے قبول فرمائیے۔ منس کر فرمایا کہ "کل متاع الدنیا قلیل" خدا نے ہفت اقلیم کو قلیل فرمایا ہے۔ بحر اقلیم میں سے صرف ایک ولایت آپ کے حصہ میں آئی ہے وہ اتنی ہے کہ فقیر طبع کا ہاتھ بڑھائے۔

آگے کسو کے کیا کریں دست طبع دراز

وہ ہاتھ سو گیا ہے سرمائے دھر سے دھڑکے

(۲) شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا سید محمد انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں جب دارالعلوم دیوبند سے علیحدہ ہوئے تو کلکتہ، ڈاکہ، ممبئی، ادلی، ایڈم آباد، لاہور، بھوپال اور لکھنؤ کی بڑی یونیورسٹیوں اور بڑے بڑے مدارس نے کوشش کی کہ حضرت مرحوم کی خدمات انہیں حاصل ہو جائیں۔ اور علم و عمل کا یہ آفتاب درخشاں اپنی تابانیوں اور جلوہ بازیوں سے انہیں منور کر دے۔ اس سلسلہ میں حضرت مرحوم کو بڑی بڑی تنخواہوں کی پیشکش بھی کی گئی مگر مطلق کسی طرف التفات نہیں فرمایا۔ شاید کلکتہ یونیورسٹی والوں نے کہا کہ جو جماعت آپ کے ساتھ دارالعلوم سے جدا ہوئی ہے اسے بھی ہم قبول کرتے ہیں اور خود آپ کے لئے بھی ابتدائی طور پر ایک ہزار روپے ماہانہ کا خاہرہ ملے کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے عمر بھر بچپن اور

سور و پے ماہوار سے زیادہ کمایا ہو۔ اس کے لئے ہزار ڈیڑھ ہزار روپے کی رقم کم نہیں تھی۔ مگر احباب کے اصول پر فرمایا کہ نووی صاحب! ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ روپے جمع کرنے اور کمانے پر ہمیں کبھی توجہ نہیں ہوئی۔ ہم صرف دور وٹی پر گزارہ کر کے اپنی ان کتابوں میں لکے رہنا پسند کرتے ہیں۔ ان دو چھوٹے چھوٹے قصوں سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ ان بزرگوں کا یہ استغناء تو کل قناعت پسندی، بے نیازی، بندگی اور دینداری تھی جن کی وجہ سے بازار عالم میں ان کی عظمت و شہرت کا سکہ رواں تھا۔ عوام ان کے گرد دیدہ تھے اور خواص بھی۔ اگر کہیں آکر جھکے تھے تو وہ ان کی ٹوٹی پھوٹی خالقاہوں اور پسیدہ و خستہ حجر دلوں کے سامنے لیکن اس زمانہ میں علماء کی بے عزتی، انس میرسی اور بیجا مہر کا جو عالم ہے۔ اور خود ان کی علمی اور اخلاقی طاقت کے تباہ ہو جانے کی وجہ سے عوام میں ان کی بے توقیری اور ان سے بے تعلقی کا جو جذبہ پھیل گیا ہے اور پھیلتا جا رہا ہے کبھی آپ نے اس پر غور کیا ہو تو یقیناً اس کے خطرناک نتائج سے آپ کی روح لرز اٹھی ہوگی۔

میں تو جوں جوں عرصہ حیات میں قدم بڑھا رہا ہوں اسی طرح حضرات علماء دیوبند میں اپنے منصب کی عظمت شان ذمہ داریوں سے بے حسی اور بے توجہی پاتا ہوں۔ علم اور دین کے فرائض وہ بھولتے جاتے ہیں، طبع و عرص کا ان پر غلبہ ہے۔ لڑنے جھگڑنے کا شوق اور دینا ماروں سے تعلقات رکھنے اور ان کا قرب حاصل کرنے کی تمنا، علم نہایت خام عمل کے نام سے صغرائے توکل نہ قناعت نہ صبر اور نہ ان میں ایثار و احسان کا کوئی

۱۰ فی صدی موجود ہر سال مدارس اسلامیہ سے فاضلین و فاضلیین کے غول کے غول تیار ہو کر نکل رہے ہیں۔ مدارس میں جا کر دیکھئے تو سب مدرسے آباد ہیں۔ اور طلبہ کی کثرت بظاہر اس پر دلالت کرتی ہے کہ تحصیل علم دین کا جذبہ روز افزوں ہے۔ عربی مدارس کی کارکردگی اور کارگزاری کی سادہ و سادہ سیکنے تو معلوم ہو گا کہ علماء کی سالانہ پیداوار غیر معمولی طور پر بڑھ رہی ہے۔ لیکن اگر ان علماء کے سرمایہ علم کا جائزہ لیجئے ان کے ذہنی، علمی گوشوں کو ٹٹولئے اور فلسفہ و منطق کی جن کتابوں کے پڑھنے پر انہوں نے عمریں اور زندگیوں صرف کر ڈالی ہیں۔ ان میں سے کوئی کتاب ان کے سامنے ڈالئے قیہ مباہلہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ بہت سے توضیح عبارت پڑھنے اور ترجمہ کرنے پر بھی قیادہ نہیں ہوں گے۔ اور مدارس سے باہر جا کر یہ سب اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ تیس چالیس روپے ماہانہ کی کوئی ملازمت مل جائے کہ روٹے میٹھے اپنا پیٹ بھر لیں۔ انہیں کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ تبلیغ اسلام کے لئے انہیں کچھ وقت صرف کرنا ہے؟ خود اپنی اخلاقی حالت کو درست کرنا اور سدھارنا بھی ان کے لئے ضروری ہے۔ اور دین و علم دین کی ماہ میں اگر کوئی تکلیف، کوئی ذریت اور کوئی مشقت ان پر آئے تو اسے بخوشی قبول کرنا ہی اصل دین ہے۔ نہ عوام کو کوئی معتد بہ فائدہ پہنچانے پر توجہ کرتے ہیں۔ مادرہ عوام کے قلوب میں ان کی کوئی عظمت و عزت ہے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دور میں ایک مزدور کی عزت ہو سکتی ہے۔ ایک مزدور روزانہ دو تین روپے کما سکتا ہے۔ اور

مزدوروں کی ایک جماعت ہڑتال کی دھمکی دے کر مل کے مالکوں اور کارخانہ والوں کو ڈرا سکتی ہے۔ مگر علماء کو نہ کوئی چار پیسے دینے پر تیار ہے اور نہ کسی کو یہ خوف ہے۔ کما کر علماء نے نادانوں پر کرنا کام بند کر دیا۔ تو ہمیں کوئی نقصان پہنچے گا کہ نہیں؟ میں اس سلسلہ میں حضرات علماء کی کمزوریوں اور خامیوں کے تفصیلی ذکر سے اس لئے احتراز کرتا ہوں کہ میرے لئے یہ کوئی دلچسپ داستان نہیں جسے میں مزے لے لے کر بیان کروں اور ساتھ ہی مجھے یہ بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ خواہ مخواہ عیب جوئی اور نکتہ چینی پر اپنا وقت صرف کیا جائے، علماء کی موجودہ دردناک حالت پر میرے دل میں ایک درد ہے۔ اس سے مجبور ہو کر محض اصلاح کے خیال سے یہ اتنا کچھ کہنے کی بھی جرأت کی گئی ہے۔ اس سے نہ حضرات علماء کرام کی عیب جوئی مقصود ہے اور نہ ان کا مسخرہ و استہزاء میری تمنا ہے کہ علماء اپنے علم و فضل اور بزرگی و جیداری سے عوام کو فائدہ پہنچائیں، ان کے استغناء و بے نیازی کا ضرب المثل کے طور پر ذکر ہو۔ اور وہ دنیا دار کے تمام غیر ضروری جھگڑوں قصوں سے الگ رہ کر تبلیغ دین اور تشہیر علم کے فرائض ادا فرمائیں اس طرح اللہ وہ اپنی یونی ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش ہو سکیں گے۔ اور عوام میں بھی انہیں غیر معمولی اثر و سربخ حاصل ہو سکیگا۔ چونکہ صرف ان کے لئے بلکہ ہمارے دینی مقاصد کی تکمیل کے لئے بھی اس پر آشوب دور میں یہ ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل و تشریح کی ضرورت نہیں۔ ماننے والے اثنائے کو مل سکتے ہیں اور سمجھنے والے ذرا سی بات سے بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

ہائے گرمی

(ادارہ)

آج کل ہندوستان میں ہر طرف لوگوں کی ہانوں پر "ہائے گرمی" کے نعرے ہیں جنہوں نے مردہ باد اور زندہ باد کے نعروں کو بھلا دکھا ہے ہم ملائین جگر صاحب بھی انہی لوگوں میں سے ہیں۔ اس لئے کہ پہاڑ پر سے اتر کر نیچے آئے ہیں۔ اگر ہم ہائے گرمی۔ ہائے گرمی نہ پکادیں گے تو ادھر کون پکارے گا۔ مگر ہماری سمجھ میں اب تک یہ بات نہیں آئی کہ اس مرتبہ اتنی سخت گرمی کیوں پڑ رہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس جنگ کا اثر ہے جو ابھی ابھی ختم ہوئی ہے۔ اور نہ معلوم دنیا والوں کو کیا کیا تحفے اور کیا کیا انعام دئے گئے ہیں۔ ان تحائف اور انعامات میں سے سب سے زیادہ بہترین اور مفید تحفہ یہ گرمی ہے معلوم نہیں یہ بات کہاں تک صحیح ہے یہ تو سائنس دانوں کی باتیں ہیں ہم جیسے ملازمین مساند روزہ کے مسائل اور ختم درد کے جھگڑوں میں پھنسے رہے اور پھنسے بیٹھے ہیں ہم ان باتوں کو کیا جانیں۔ ہاں اتنا ہم ضرور جانتے ہیں کہ اگر سورج جی جہاں لاج اسی طرح اپنی تیز اور شعلہ بار نظروں سے ہماری ہر ہر ماتا کو گھومتے رہے تو مغرب کی ساخت پر داختہ نادر کہ اندام حوا کی بیٹیوں کے تمام متفاطمی حسن کی خیر نہیں شاید سورج نادر اٹن صاحب کو ان شوخ و شنگ دہرتی مائیں کی بیٹیوں پر غصہ آ گیا ہے کہ وہ اپنی مائیں کی مائیں ہیں اور یہ آگ یورپ کی

لگائی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ روشنی کا زمانہ ہے اور ایسی روشنی کے زمانہ میں ایسا ہی اندھیرا ہونا چاہیئے۔ کہ سرمایہ دار لوگ اپنی کوٹھیوں، بنگلوں اور دفاتروں میں خنک کی ٹیٹیوں سے محصور اور بجلی کے پنکھوں کے نیچے سخت گرمیوں میں سردیوں کے مزے لوٹیں۔ اور ہم جیسے غریب گلی کوچوں اور بازاروں میں ہائے گرمی ہائے گرمی پکارتے پھریں۔ جب دنیا کا انتظام فاسق و فجار سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو دنیا کا یہی نقشہ ہوا کرتا ہے۔ ان کا سرمایہ غربا کی بستیوں میں آگ لگا کر یونہی تماشہ دیکھا کرتا ہے۔ ان کے جہنی اعمال جہنم کی آگ بھڑکا دیا کرتے ہیں۔ اور ان کی خود غرضی کی آگ دنیا کے کونہ کونہ میں لگ جایا کرتی ہے خیر صاحب! دنیا میں یہ آگ کسی نے لگائی ہو ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں ہم نے جو لوگوں کو گرمی کی شکایت کرتے ہوئے منا تو دماغ میں تحقیق کا کیرٹا کلبلا یا اور ہم نے گرمی کی تحقیق کر ہی ڈالی یعنی ہم نے گرمی کے بیشمار اقسام اور ان کے مختلف اثرات و نتائج ڈھونڈ نکالے۔ اب آپ ہماری تحقیق سنئے اور اس کی داد دینے کے لئے بیقرار ہوں گے۔ مگر ٹھہریئے پہلے ہیں اپنی تحقیق کی تہید باندھ لینے دیجئے۔ وہ بالکل مختصر سی تہید یہ ہے کہ ہم ذرا غلط سے سے اپٹوٹیٹ بن گئے ہیں۔ اس لئے ہم آپ کے سامنے اپنی تحقیق اپنی اپٹوٹیٹ

اصطلاحات میں پیش کریں گے۔ لیکن اب گیوش ہوش گرمی کے اقسام سنئے

(۱) ایجوکیشنل ہیٹ یعنی حرارت علی یہ گرمی کی وہ اعلیٰ اور مفید قسم ہے جس سے لوگ بڑی آسانی کے ساتھ گھر بیٹھے مولوی۔ مولانا۔ مجاہد ملت۔ غازی، لیڈر، ممبر، قائد، اعظم، مفکر، مدبر، ادیب اور شاعر بن جاتے ہیں۔ اس گرمی کا اثر ہر قسم کی کھوپڑی پر یکساں نہیں پڑتا بلکہ مختلف ہوتا ہے۔ جب یہ گرمی کسی بڑے لیڈر اور کسی بڑے مولوی کی کھوپڑی پر پڑتی ہے تو لیڈر پلیٹ فارم سے دہواں دہاں لپکھ دیتا اور اخبارات میں پیمان آفرین بیانات شائع کرتا ہے۔ رسول نامہ کی دہکی دیتا ہے۔ ڈیڈ لاک پیدا کر دینے سے بڑے لوگوں کو ڈراتا ہے پھر غصہ میں آکر اپنے خاوند کی چاہیتی بیوی کی طرح روٹھ جاتا ہے۔ اور اگر اس گرمی کا حملہ کسی مولانا اور علامہ پر ہو تو وہ مولوی کا غلط مذہب لکھتا ہے۔ اپنے کو جنتی اور دوسروں کو گمراہ اور جہنمی ٹھہراتا ہے۔ کفر کے فتوے دیتا ہے۔ دہائی کا ایٹم بم چلاتا ہے مسجد کا فرش اکھڑاتا ہے۔ دہائی کو سو کا فروں کا ایک کافر سمجھتا ہے۔ مذہب خطرہ میں ہے کا الالہم بجا دیتا ہے۔ توہین رسول کا نعرہ لگا کر عوام کو پاگل بنا دیتا ہے۔ اور عوام کی بھیڑ ساٹھ لے کر حق پرستوں اور مجاہدوں کے مقابلے میں کتاؤں کا انبار لے کر میدان مناظرہ میں نکل آتا ہے۔

اب اگر ہم آپ کو یہ بھی بتلائیں جب یہ گرمی مفکروں ادیبوں اور شاعروں کی کھوپڑیوں پر پڑتی ہے تو کیا کیا نکل کھلتی ہے۔ تو یہ گرمی کی قسم شیطان کی آنت کی

طرح لمبی ہو کہ ہمارے گلے پڑ جائے گی۔ اس لئے بس اس گرمی کو لیڈر اور مولوی تک ہی رہنے دیجئے۔ آج اس گرمی سے بڑے بڑے لوگ لوگوں کا داغ کس پر ہی طرح اُبل رہا ہے۔ اس کو بھی جانے دیجئے۔ ہاں اتنا ضرور معلوم کر لیجئے کہ یہ گرمی کی بہت عمدہ قسم اور کام کی چیز ہے۔ اس سے لیڈر لوگوں اور مولوی صاحبان کا کام چلتا ہے۔ اگر یہ گرمی نہ ہوتی تو بس مذہب و سیاست کی دکائیں ہی بند ہو جائیں سنا ہے جب یہ گرمی حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے تو پھر اس کا علاج شلہ بولی اور دھا، بھیلی اور رومبند میں ہوتا ہے۔ فلہذا ہم ملائین جیکر صاحب حرارت علی کے ہر مریض کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ فوراً ان مراکز علاج میں سے کسی مرکز میں اپنی پسند کے مطابق پہنچ جائے ورنہ کسولی جانا ضروری ہوگا۔

ابھی ہم یہیں تک کہنے پائے تھے کہ ایک صاحب نے لقمہ دیا ملا صاحب! آپ قادیان شریف کو تو بھولے بھی جا رہے ہیں ہم نے کہا بیشک آپ نے ہمیں ٹھیک لقمہ دیا یہ تو ہماری بہت بڑی بھول ہوئی تھی۔ مطلب یہ کہ حرارت علی سے جب سیاسی سرعام ہو جائے تو مذکورہ بالا مقامات پر اس کا علاج ہوتا ہے۔ اور جب بی۔ بی ہو جائے تو اس کا علاج قادیان شریف میں ہوتا ہے۔ جہاد کی مذہبی حرارت کو طاعوت کی وفاداری کا درس دے کر ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ یعنی قادیان ایمان اور جہاد پر دفت ہے۔ اگر کسی شخص کو ایمان کی حرارت کی وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ کا مرض لاحق ہو جائے تو اس کو قادیان کی پچاس آلامیوں کی

طرف رجوع کرنا چاہیے۔ وہاں آزادی کے جراثیم کو
یہی خود دین سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلاک
کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ جراثیم ٹھنڈے ملک کے
سفید آقاؤں کے مزاج میں برہمی پیدا کرتے ہیں۔
اور جو لوگ خدا کی حاکمیت کو بھٹا کر گورے
آقاؤں کو حاکم نہ مانے اور ان کے خلاف آزادی
کی حرارت کی وجہ سے شور و شر کرے وہ اعلیٰ درجہ
کا جہنمی ہوتا ہے۔ اس سے دوزخ کی آگ بہر بڑکتی
اور لاہور میں گرمی ہو جاتی ہے۔

(۲) پیرسنل ہیٹ۔ جس کو اردو میں حرارتِ شخصی
کہتے ہیں۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً حرارت
خطایات، حرارتِ بھرتی، حرارتِ دولت، حرارتِ
عزت اور حرارتِ عشرت وغیرہ وغیرہ، ان سب
حرارتوں کا مقصد مشترک ہوتا ہے۔ اور فائدہ
ذاتی و شخصی یعنی اپنے نفس کو انواع و اقسام کے
مرغن کھانے کھلا کھلا کر، لین اور ولایتی شرابیں
اور سنگار پی پی کر، کلبوں میں ناچ ناچ کر، عمدہ
عمدہ گانے سن سن کر اور کوٹ پنلون میں پھین پھین
کر اپنے نفس کو خوب موٹا تازہ کرنا اور عمدہ قسم کے
کتے پالنا اس حرارت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی صاحب
غربت و افلاس کی وجہ سے میاں بجنون ہوں اور
وہ اس حرارت کا شکار ہو جائیں "ڈبل روٹی بن
جاتے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں ڈبل روٹی کاٹ
کاٹ کر اور کھن لگا لگا کر صاحب لوگ کھاتے ہیں
اور کبھی کبھی ڈبل روٹی کے ٹکڑوں کو سینکا اور تلا
بھی جاتا ہے۔ ملا صاحب اس طبقہ سے جو آخر میں ڈبل
روٹی بن جایا کرتے ہیں بہت خوش ہیں اس لئے کہ

ان کی خوشامداد و مہربانی سے ہمارے مدرسہ بمقامِ العلماء
انجمن احمقان اور خانقاہ جابلان کا کاروبار آسانی
کے ساتھ چل جاتا ہے۔ لہذا ہم ان کی تعریف و توصیف
کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان
میں سے کسی بڑے کو اپنے جلسہ کا صدر بناتے ہیں۔ اگر
کوئی صاحب ہمداری ان ایماندارانہ باتوں پر ہنسیں گے
تو وہ اس کی سزا آخرت میں پھگتیں گے۔
ہاں تو آگے سینے یہ مرض غداہی اور غلامی سے
پیدا ہوتا ہے جس طرح اسٹیم آگ اور پانی سے بنایا
جاتا ہے۔ اسی طرح غداہی اور غلامی کے اشتراک سے
حرارتِ خطایات پیدا ہوتی ہے۔ یہ مرض متعدی ہے
اڑ کر لگتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کے پیر ہوتے نہیں
بلکہ بے پیر کے اڑتا ہے۔ اس کا اثر نسلا بعد نسل یعنی
باپ سے بیٹے تک کئی پشتوں میں چلتا ہے۔ اور یہ
سارا قیض باپ بیٹا اور روح القدس کا ہوتا ہے۔
سنا گیا ہے کہ یہ حرارت آدمی کو ڈبل روٹی ہی نہیں بلکہ قلعہ
اور پیراٹھا بھی بنا دیتی ہے۔ یہ گرمی مذہب، اخلاق،
قوم اور ملک سب کو جلا دیتی ہے۔ اس سے مجلسیں اور
جلسے بھی گرم کئے جاسکتے ہیں ہم ابھی تک اس کی
تحقیق نہیں کر سکے کہ اس کا علاج کہاں ہوتا ہے۔
سننے میں آیا ہے کہ پنجاب کے اسمبلی ہال میں ہوتا ہے
اگر کسی صاحب کے تجربہ میں یہ بات آئی ہو۔ تو وہ
ہمیں اطلاع دیں ہم ان کو دو ٹوں کا بندل دیں گے۔
انکی قسمیں آگے۔

لہذا والسلام

تذکرۃ الصالحین

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی

(از جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی)

(نمبر ۲)

بھائی ہماری اس چہار دیواری میں طاغوت کیپ کا داخلہ
منوع ہے۔ یا تو آپ یہ ٹوپی باہر رکھ آؤ یا کسی کی مانگ
کر دوسری پہن لو۔ ورنہ باہر بیٹھ جاؤ۔ اور جو کچھ فرمانا
ہو وہیہر سے فرماؤ۔

غریب محلہ داروں کی رعایت | حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے
دولداروں کی عجیب مثالیں | تقریباً ساری عمر کے
مکانوں میں گزار دی ہے۔ زمانہ مکان بھی خام دیواروں
سے بنا ہوا تھا۔ اور مردانہ نشستگاہ بھی ہر سال ان
کی پاپتائی کا اہتمام اور اس پر کافی خرچ کرنا پڑتا تھا
جو آپ کے مشاغل عالیہ کے پیش نظر نہایت تکلیف دہ
تھا۔ ایک روز گھر کا سامان نکلا ہوا باہر رکھا تھا۔ خود
بھی باہر تشریف لے رکھتے تھے احقر حاضر ہوا تو فرمایا
اگر میں اس خرچ کا حساب لگاؤں جو سالانہ ان
کچی دیواروں کی لپائی پر ہوتا ہے تو یقین ہے کہ پختہ
مکان بنانا اس کے مقابلے میں سستا ہے۔ اور یہ
تکلیف کہ اپنا اور گھر والوں کا کام خرچ کر کے سامان
نکالنا اور پھر رکھنا اور مزدوروں کو جمع کرنا اور ان
کے لئے سامان جیسا کہ نامزد برآں ہے۔ لیکن مجھے یہ
محاط آتا ہے کہ محلہ میں عام طور پر غریب لوگ آباد
ہیں سب کے مکان کچے اور خام ہیں۔ میاں صاحب

اہل علم کا ادب و احترام اور | ایک مرتبہ ایک اہل
اس کے ساتھ ہر وقت امر بالمعروف
اور تعلیم و تربیت کا اہتمام | لئے حاضر ہوئے
مونڈے پر بیٹھ گئے اور جیسا کہ آج کل عام عادت
ہو گئی ہے۔ ایک پاؤں اٹھا کر گھٹنے پر رکھ لیتے ہیں
اسی طرح بیٹھ گئے یہ بیعت قاضی کے بھی خلاف ہے اور
ادب کے بھی۔ اسی لئے اگر حضرت مدد و ح کی مجلس میں کوئی
ایسا کرتا تو متنبہ فرما دیا کرتے تھے لیکن ان کے علم کا احترام
پیش نظر تھا کچھ فرمایا نہیں لیکن تعلیم و تربیت کا اہتمام
دیکھئے کہ ان کے اس واقعہ کو یاد رکھا اور پھر کئی جہینہ
کے بعد وہ دیوبند آئے اور زیارت کے لئے حاضر ہوئے
باہر سے اجازت طلب کی تو وہیں سے یہ فرما دیا کہ اجازت
ہے بشرطیکہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر نہ بیٹھیں۔ ان کو اس
سے پہلے کسی نے متنبہ نہیں کیا تھا۔ اب اپنی غلطی پر متنبہ ہو
کر بہت شرمندہ ہوئے اور سامنے آئے تو شرمندگی
کے آثار محسوس فرمائے تو پھر ایسا بے تکلفی کا معاملہ کیا
جس سے ان کے قلب سے بالکل یہ اثر جاتا رہا۔

گاندھی ٹوپی پہننا مسلمانوں کے لئے حضرت کو
سخت ناگوار تھا۔ لیکن مدرسہ کے طلباء بعض پہن کر
آئے تو تبسم کے ساتھ بے تکلفی کے لہجہ میں فرماتے کہ

پکے مکان میں بیٹھے کیا اچھے لگیں گے۔ اور پڑوسیوں کو صرت ہوگی کہ ہمارے پاس بیٹھ جاتا تو ہم بھی ایسے ہی مکان بناتے۔ پھر بہت عرصہ کے بعد تقریباً حضرت کی آخری عمر میں جب محلہ میں بہت سے لوگوں کے مکان پختہ بن گئے۔ اس وقت آپ نے بھی مکان پختہ بنوائے کہ دوسری طرف اہل دیال کے حق کا لحاظ بھی ان کے درجہ کے موافق پیش نظر تھا۔

حضرت کے محلہ قلعہ پر عجائب اتفاق سے ہے کہ حسب مثال مشہور چراغ تلے اندھیرا ایک زمانہ تک کچھ بانڈی عورتیں آباد تھیں۔ ان میں سے ایک عورت جب بوڑھی ہو بیکا رہ گئی تو فقر و فاقہ میں گزارتی تھی۔ اس وقت کبھی کبھی حضرت رحمہ اللہ مدد خیرات سے بھی اس کی مدد فرماتے تھے ایک روز خود احقر سے فرمایا کہ یہاں ہماری حاجتیں بھی عجیب ہیں کوئی سنے تو کیا کہے۔ دیکھو رات کو عشاء کی نماز قلعہ کی جامع مسجد میں پڑھ کر میں کچھ دیہ سے آتا ہوں۔ جب اس بوڑھی نہڑی کے گھر کے نیچے گزرتا ہوں تو اس طرح آہستہ چلتا ہوں کہ میرے پاؤں کی آہٹ اس کو محسوس نہ ہو کیونکہ اول آہٹ محسوس کر کے شاید اس کو بوجہ طبع ہو کہ بوئی آیا۔ پھر جب میں آگے چلا جاؤں گا۔ تو مایوس ہو کر اس کا دل دکھے گا میں خواہ مخواہ اس کی تکلیف کا سبب بنوں اس سے بچتا ہوں۔

ایک روز احقر بعد مغرب حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حضرت کہیں جانے کے لئے کھڑے ہیں اور شیشی میں سے کوئی دوا نکال رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر ہنس کر فرمایا۔ خبر ہے میں کہاں جاتا ہوں۔ آج ہمارے فلاں

بڑوسی نے ہماری دعوت کی ہے۔ اور اس کا معمول ہے کہ ہر سال ایک مرتبہ دعوت کیا کرتا ہے۔ اور ہمیشہ ماش کی دال اور خشک چاول اور موٹی موٹی دھیاں پکواتا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی میری صحت کے موافق نہیں۔ ہاں فصد ہی درست رہ سکتا ہے۔ مگر میں اس پر اس کی دعوت پر بڑی خوشی کا اظہار کرتا ہوں۔ اور بعض دفعہ تقاضا کرتا ہوں کہ میاں بہت دنوں سے دعوت نہیں کی وہ پھولا نہیں سہاتا بس میں سمجھتا ہوں کہ تطیب قلب مومن ایک بڑا عمل ہے اس کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے اور ادھر یہ اعتقاد کرتا ہوں کہ اس کی دعوت کھانے سے پہلے کچھ دو این کھاتا ہوں۔ پھر آنے کے بعد کھاتا ہوں۔ اور بعض اوقات کئی کئی دن تک کھانا پڑتی ہیں۔

مکاشفات

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کشف سے بھی خاص مناسبت تھی۔ بارہا ایسے واقعات پیش آئے کہ بالکل معنی حالات جن کی اطلاع کا کوئی ذریعہ آپ کے لئے نہ تھا من و من بیان فرمادیتے جن کی بظاہر کشف کے سوا کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک مرتبہ احقر بیمار پڑا صاحب فرماں ہو گیا جعفر میاں صاحب بھی چند مرتبہ عیادت کے لئے تشریف لائے۔ اس سلسلہ مرض میں حضرت کی خدمت میں حاضری ایک عرصہ تک نہ ہو سکی۔ ایک روز مجھے تکلیف میں کچھ خفت معلوم ہوئی۔ اور حضرت کی زیارت کا شوق دامگیر ہوا۔ بدوں اس کے کہ پہلے حضرت کو اطلاع کرتا۔ بعد مغرب در دولت پر پہنچا۔ دیکھا کہ خلافت عادت دروازہ کھلا ہوا ہے اور حضرت صحن میں کھڑے ہیں۔ دور ہی سے فرمایا کہ ہم نے پہلے ہی سے

عرض کیا کہ کہاں ہیں بیساختہ فرمایا جنت میں ہیں جیسے عام طور پر کہہ دیا جاتا ہے کہ گھر میں ہیں یا باغداد گئے ہیں۔

سفر حج ۱۳۲۵ھ | حضرت میاں صاحب کی عادت تھی کہ بعض حالات میں کہیں سفر میں جانا ہوتا تو کسی سے اس کا اظہار نہ فرماتے تھے۔ بجز اس کے جس سے کوئی خاص کام متعلق ہو۔ اس پر بھی اظہار صرف بقدر ضرورت ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اکثر گھروالوں کو بھی بجز اس کے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کہیں سفر میں تشریف لے گئے ہیں سمت سفر دیکھ کر اندازہ لگایا کرتے تھے۔ پھر جائے قیام پر پہنچ کر خطوط بھیجتے اس میں بھی بقدر ضرورت حالت کا اور کیفیت مزاج وغیرہ کا اظہار ہوتا تھا۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کسی حکیم کا قول ہے۔ اکتہ ذہبک وذہابک یعنی اپنے سونے کو اور سونے کو پھینک دیکھو۔

ایک روز سفر کے لئے اسٹیشن پر تشریف فرما تھے مجھے سفر کا کچھ حال معلوم نہ تھا۔ میں خود کسی جگہ کے سفر کے لئے اتفاقاً اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ گاڑی میں دیر تھی۔ حضرت کے پاس بیٹھ گیا۔ اب حضرت کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کو یہ خیال گزرے گا کہ سفر کو مجھ سے بھی چھپایا۔ بڑے لطف کے ساتھ فرمانے لگے کہ مولوی صاحب للجنون فنون و اقلها سبعون۔ یعنی جنون کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اور کم از کم ستر ہیں کسی کو اپنے جنون کا احساس نہیں ہوا کرتا۔ مجھے بھی اخفاء سفر کا جنون ہے۔ پھر فرمایا کہ میں اظہار کر کے ہی کیا کروں۔ میرا وجود ہی کیا جو کسی کو میری تلاش یا فکر ہو۔ ایسا ہی یہاں رہا ایسا ہی کہیں چلا گیا۔

چار پائی پر بسترہ بچھا رکھا ہے کہ ضعیف ہو رہے ہو۔ آؤ زار آدم لے لو پھر بات کریں گے۔

ایک روز احقر بعض خانگی معاملات کی وجہ سے کچھ متفکر و مغموم بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت تشریف لائے اور اس طرح تسلی فرمائی جیسے بالکل حالات پر مطلع ہو کر کی جاتی ہے۔ اسی ضمن میں ایک نہایت مفید مضمون ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کسی کی ناراضی جو بے بنیاد و غلط خبروں کی وجہ سے ہو وہ ہرگز باقی نہیں رہا کرتی۔ تھوڑے دنوں میں محقق خود بخود سامنے آ جاتے ہیں۔ ایسی چیزوں کا زیادہ فکر فضول ہے۔

ارشاد | ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم سے پہلے عام لوگوں میں گو علم اتنا نہیں تھا جتنا اب ہے لیکن ایمان کی قوت اور ملکات فاضلہ ایسے تھے جو آج بڑے بڑے علماء و صوفیا کو بھی مشکل سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں اپنے والد مرحوم کے کچھ حالات سنائے۔

حکایت قوت ایمان | محمدی مولانا قاضی سعود کی عجیب مثال | احمد صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند جو حضرت شیخ الہند کے داماد اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طویل خدمت و صحبت کا اثر رکھتے ہیں آپ نے احقر سے نقل کیا کہ حضرت میاں صاحب نے ایک روز فرمایا کہ بچھلے بڑے لوگوں کی قوت ایمان عجیب تھی۔ ایک روز حضرت میاں جی سے شاہ صاحب کی خدمت میں کوئی صاحب حاضر ہوئے۔ دریافت کرنے لگے کہ حضرت آپ کے کوئی بچہ بھی ہے۔ فرمایا ہاں الحمد للہ کئی ہیں۔ اس نے

فرمایا کہ مفارقت پر اظہار غم نہ کرنا کہ مجھ میں اس کے
سننے کا تحمل نہیں آیا۔ وہ اشعار یہ تھے۔

وداع حبیب ثم کتمان سر کا

علی ما باحشائی لظلم علی ظلم

محبوب کی رخصت پھر اس کے بھید کا پھیانا۔ اس غم
دالم کے ساتھ جو میرے باطن پر ہے ظلم پر ظلم ہے
فلست علی مانی کنا قف حنظل

لدی البین لیم یقدا علی السواد الکتم

میں باوجود غم کے حنظل توڑنے والے کی طرح چشم
نم نہیں ہوں جو فراق کے وقت راز پھیلانے پر قادر
نہ ہو سکا

ولکن قلبی فی الحشا متصدع

وعینی کتوم للسراثر بالغم

لیکن میرا دل سینہ میں پارہ پارہ ہو رہا ہے

اور میری آنکھ اپنی پختہ کاری کے ساتھ راز کو فاش
نہیں ہونے دیتی

وفی النفس حاجات والفق مقلات

وعادت عهود المحبت فی فحی کا لخم

دل میں بہت سی حاجتیں اور ہزاروں مقلات

ہیں مگر عہد محبت نے میرے منہ پر مہر لگا رکھی ہے

وکیف ما ودعت شیخی وحدہ

بلی ووداع الخلق والاب والام

اور کیوں کر نہ ہو کہ آج میں نے تنہا اپنے استاد

کو رخصت نہیں کیا بلکہ دوست اور باپ اور ماں سب

کو رخصت کر دیا

لہذا مرا القیس کے شعر کی طرف اشارہ ہے جیسے اس نے کہا ہے۔

کافی خذوا ابین یوم تمحلوا لادی سمرات الحی ناعف حنظل

ایک مرتبہ ایک طویل سفر کا ارادہ فرمایا اور کچھ
طویل قیام کا قصد تھا۔ مجھ سے اتنا تو ظاہر فرمایا کہ
میں فلاں دن جانے والا ہوں مزید تفصیل بیان
نہیں فرمائی تھی میں رخصت کے وقت ملاقات و مصافحہ
کے لئے حاضر ہوا۔ تو مجھے رخصت کرنے کے لئے
خود کھڑے ہوئے مصافحہ کیا تو دیر تک ہاتھ میں ہاتھ
لئے کھڑے رہے۔ اور کچھ رقت طاری ہو گئی جس
کا مجھ پر بھی اثر تھا۔ مگر سبب نہ معلوم ہونے کی وجہ سے
حیرت میں تھا۔ پھر منزل مقصود پر پہنچ کر خط میں تحریر
فرمایا کہ بوقت رخصت جس حالت میں تمہیں حیرت ہوئی
اس کا سبب یہ طویل سفر تھا۔ اور یہ خیال کہ خدا جانے
پھر آپ سے ملاقات ہوگی یا نہیں۔

۳۴ھ میں سفر حج کا ارادہ فرمایا تو احقر پر

اس کا اظہار پہلے فرمایا تھا۔ کیونکہ حرمین میں کچھ

طویل قیام کا قصد تھا۔ اس لئے گھر اور کتب خانہ

کے متعلق مجھے کچھ وصیتیں لکھ کر دیں۔ بالخصوص اپنی

ہمشیرہ محترمہ کے لئے۔ اشعبان ۱۳۴۳ھ کو سفر

کیا۔ احقر دہلی تک مشایعت کے لئے ساتھ ہوا۔ گھر

والوں پر اس سفر کا اظہار نہیں فرمایا تھا۔ دہلی سٹیشن

پر رخصت کے وقت احقر آبدیدہ ہونے لگا تو اشارہ

سے روکا کہ دوسرے حاضرین سمجھ جائیں گے۔ احقر

متنبہ ہوا۔ اور دل کو قابو میں کیا۔ گاڑی چل دی اس

کیفیت میں بے ساختہ چند عربی اشعار دل میں آ گئے

جن کو لکھ کر احقر نے خط میں بھیجا جواب میں تحریر

فرمایا ہم نے اپنا مرثیہ اپنی زندگی میں سن لیا۔ آپ کے

سو زوگداز نے مجھے بھی آبدیدہ کر دیا۔ اور اسی لئے

اس کے بعد کسی ایسے سفر کا اتفاق ہوا تو خط میں تحریر

مبارک ہو آپ کو بیت حرام اور اسکی پاکیزگی پھر مدینہ طیبہ جو سخاوت اور علم و عقل کی زمین ہے۔

یہ سفر دیوبند سے ۱۰ شعبان ۱۳۳۵ھ کو ہوا چند یوم پہلی قیام فرمایا۔ پھر رمضان المبارک میں راندیر میں قیام رہا۔ وہاں سے مندرجہ ذیل مکتوب گرامی صادر ہوا۔

(باقی آئندہ)

وکننت به كالطفل في حضن أمه
غنيا من التراب والخال والعلم
کیونکہ میں آپ کے ساتھ ایسا تھا جیسا بچہ ماں کی گود میں اپنے دوستوں اور ماموں اور چچا سب سے بے نیاز ہوتا ہے۔

لیھنکما لبیت الحرام و طیبہ
فطیبة ارض الجود والعلم والحلم

تَذْکَرَةُ الصَّالِحِينَ

علامہ کشمیری، عالم بالا کے دروازہ پر!

راز قلم مولوی سید انظر شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ خلف اصغر حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

برادر عزیز القدر سید انظر شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو ابھی اپنی زندگی کی ابتدائی منزلیں طے کر رہے ہیں اور جامعہ نقیویری دہلی سے نشی فاضل، ادیب عالم و غیرہ کے امتحان دے کر اب عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ اپنے شوق سے حضرت والد مرحوم کے حالات و وفات اپنے ایک مضمون میں بیان کئے ہیں۔ عزیز موصوف کو مضمون نگاری کی پوری مشق ملیں۔ اس لئے زیر نظر مضمون میں کافی خامیاں موجود ہیں۔ لیکن دو وجہ سے میں ان کے اس مضمون کی اشاعت پر آمادہ ہو گیا کہ اولاً ان کے اس مضمون کی اشاعت سے ان کی ہمت افزائی ہوگی جو ایک نوا آموز مضمون نگار کے لئے یحی ضروری اور مفید شے ہے۔ دوئم ان کے اس مضمون سے حضرت محدث کشمیری کی زندگی اور وفات کے بعض ضروری حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ناظرین بھی اسی خیال سے اس مضمون کا مطالعہ فرمائیں گے اور اس کی خامیوں اور غلطیوں سے چشم پوشی کریں گے۔

”سید محمد انظر شاہ قیسر“

عالم و محدث اور علمی و عملی خصوصیات کے ایک ذی روح پیگمگر تسلیم کئے گئے ہیں اور قرآن و حدیث کے علاوہ دوسرے تمام عصری علوم پر مہر اشد دسترس رکھنے کی وجہ سے ہندوستان اور دوسرے تمام بلاد

امام العصر حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ اپنے علم و فضل زہد و تقویٰ اور زہد دست علمی کمالات کی وجہ سے اپنے زمانہ کے بے مثال

وامصار میں آپ کو شہرت و عزت حاصل ہے اور ہر جگہ آپ کے معتقدین و شاگردوں کی بڑی تعداد موجود ہے گذشتہ بارہ تیرہ سال کے عرصہ میں علامہ مرحوم کے حالات زندگی متعدد اخبار و رسائل اور کتابوں میں بلند شائع ہو چکے ہیں اور اس جلیل القدر جہتی سے نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند بھی واقف ہو چکا ہے لیکن ابھی تک آپ کی زندگی کے آخری چند روزہ کے حالات جنکے آپ کی روح لقائے حق کے لئے بیتاب تھی اور علم و ہدایت کا یہ امیر کاروان ساٹھ سال کامل دین اور علم دین کی خدمات کی جادہ پیمائی اور رہ نور دی میں مصروف رہ کر منزل مقصود پر پہنچا اور اپنی عمر بھر کی عظیم الشان خدمات کے عوض حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے انعامات و احسانات سے بہرہ ور ہوا چاہتا تھا کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔ درغائیکہ حضرت مرحوم کے آخریات کے ان حالات میں اہل دل کے لئے دلچسپی کا بڑا سامان اور کوشش شنوار کہنے والوں کے لئے نصیحت و موعظت کے دفتر کے دفتر پوشیدہ ہیں علم و فضل کا جو چراغ شب تاب ایک عرصہ سے اس ظلمتکدہ میں روشنی پھیلا رہا تھا اسے اب طاقت جسمانی جواب دے چکی تھی بدن پر ضعف و اضمحلال کا تسلط تھا اشتداد امراض سے لپٹنے پٹنے کی طاقت بھی ختم ہو چکی تھی مگر پھر بھی خدمت دین کا ایک جذبہ تھا جو اس بوحیفہ وقت اور امام العصر کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا کبھی وہ ڈابھیل میں بخاری شریف کے درس میں مشغول رہتے تھے کبھی تصنیف و تالیف کا مشغول سامنے ہوتا تھا کبھی قادیانیت اور دوسرے

فروق باطلہ کی تردید کے لئے ملک کے دورے فرماتے تھے ابھی ملک کی عام سیاسی ضرورتوں سے مجبور ہو کر آپ کو اپنے گوشہ علم سے باہر ناپڑتا تھا پھر گزشتے ہوئے ان حالات و واقعات میں جن کی بنا خدمت دین کے پر خلوص جذبہ پر تھی اور جن کا تعلق براہ راست اسلام اور مسلمانوں کی فلاح اور ہیودی سے تھا۔ آج بارہ تیرہ سال کے بعد بھی کہنے والے کے لئے ایک شیریں افسانہ کی کیفیت کیوں موجود نہ ہو؟

اس داستان کی شیرینی اور لطافت کے پیش نظر میں نے ضروری سمجھا کہ علامہ مرحوم کے زندگی کے اس آخری باب کو معتبر ذرائع سے مکمل کر لیں چنانچہ اپنے قریبی بزرگوں، اپنی والدہ ماجدہ مدظلہا اور اپنے برادر محترم کے صحیح معلومات اور ذمہ دارانہ بیانات کو سامنے رکھ کر میں نے یہاں اس ضروری موضوع پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے مجھے اُمید ہے کہ میں اپنے وقت کے ایک بے مثال محدث و عالم کے ان ضروری احوال کی صحیح نقشہ نگاری میں اگر اپنے قصور و فہم و کوتاہی علم کی وجہ سے عاجز رہوں گا تو میرے بزرگ و احباب اس کے لئے مجھے معاف کریں گے سچ یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑا موضوع تھا جس پر آج تک کسی نے روشنی نہیں ڈالی اور اس پر کچھ کہنے کا خیال بھی آیا۔ تو مجھ نادان کو بقول حافظ شیرازہ

قرعہ فال بنام من دیوانہ زند
ترک دیوبند اور ڈابھیل میں قیام
جبکہ میدنا حضرت شیخ الہند ہجرت کے ارادہ سے

مدینہ منورہ روانہ ہو رہے تھے اور دارالعلوم کے تمام ذمہ دارانہ تعلقات سے بوجہ ہجرت سبکدوش ہو چکے تھے تو حضرت علامہ کشمیری مرحوم کو اپنا صحیح جانشین سمجھ کر آپ کو ادبوں پر ترجیح دی۔ اور صدر مدرس کے منصب جلیل کے لئے آپ کو خود ہی منتخب کیا اس وقت سے لے کر ۱۳۲۵ھ تک علامہ مرحوم دیوبند میں رہے و نہ درس میں مشغول رہے۔ اور ہزار ہا تشنگان علم و حقیقت کو اپنے علم و فضل کے چشمہ صافی سے سیراب کر رہے تھے۔ علامہ مرحوم کا علم و کمال دورہ دہرا نہ ممالک کے لوگوں کے لئے بانگ خدا کا کام کرتا رہا۔ اور آپ کی شہرت علمی کی وجہ سے بیرون ہند کے اکثر لوگ دارالعلوم میں آکر جمع ہو گئے۔ سچ یہ ہے کہ دارالعلوم کو ایک مکمل جامعہ علمی اور ممتاز درسگاہ کی حیثیت سے اس وقت ملک میں جو شہرت اور دوسرے مدارس پر جو امتیاز حاصل ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ حضرت علامہ کشمیری سا عالم ایک عرصہ دراز تک دارالعلوم کی ایک معمولی چٹائی پر بیٹھ کر ایک فیاض بادشاہ کی طرح اپنے علم و فضل کے بھرپور خزانوں کو نکالتا رہا ہے اور ضرورت مندوں نے بقدر ضرورت اس سے فیض حاصل کیا۔ لیکن ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم کے بعض ذمہ دار کاتبوں سے چند اصولی اور انتظامی معاملات پر اختلاف رائے کی وجہ سے علمی و اختیاری کی یہ علیحدگی اور پھر علامہ مرحوم جیسے عالم و فاضل کی علیحدگی کچھ معمولی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ تمام ملک میں ہنگامہ مچا ہو گیا۔ اور یہی خوابان دارالعلوم اور خیر خواہان علم نے سمجھا کہ علامہ مرحوم کے دارالعلوم سے چلے جانے کے بعد دارالعلوم

کی علمی شہرت کو زبردست نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ حضرت علامہ مرحوم کو دارالعلوم میں واپس لانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن اس کوشش میں ناکامی ہوئی تو ہندوستان کی متعدد دیوبندیوں نے سمجھ لیا کہ علامہ کشمیری اب دارالعلوم میں جانے کے لئے تیار نہیں تو اطراف و جوارب کی متعدد بڑی بڑی یونیورسٹیوں کے زیداء حضرات و قواد کی شکل میں علامہ مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن اس محدث فاضل نے ان تمام بڑے بڑے مشاہدوں پر ڈابھیل کی قلیل خواہ کو ترجیح دی۔ اور ۱۳۲۵ھ اپنی علمی مجلس کے ممتاز افراد کے ساتھ جس میں قطب العالم مفتی عزیز الرحمن حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہ مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ اور مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی وغیرہم جیسے عالم و فاضل شریک تھے۔ ڈابھیل جانے کا ارادہ کیا۔ اور ڈابھیل جیسے بے آب و گیاہ اور بے رونق جگہ کو اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ سے رشک فرموس بنا دیا۔ اور وہاں آپ مسلسل ۱۳۵۱ھ تک علم و فضل کے زیریں جواہر نکالتے رہے۔ اور ہزار ہا تشنگان علم کو سیراب کرتے رہے۔ جامعہ کی حیثیت علامہ کشمیری سے پہلے سوائے ایک معمولی درسگاہ کے کچھ اور نہ تھی۔ اب یہ علمی مرکز بن گیا۔ علامہ مرحوم نے چونکہ ڈابھیل کے ذمہ داروں سے وعدہ کر لیا تھا اس لئے ۱۳۵۱ھ تک یہ صادق القول عالم اپنے وعوہ پر قائم رہے اگرچہ قدرتی طور پر ڈابھیل کی آب و ہوا علامہ مرحوم کو موافق نہ آئی اور وہ امراض جو کہ حضرت علامہ پر دیوبند میں مشکل سے غلبہ پاتے تھے ڈابھیل جاتے ہی جسم پر غالب آ گئے

اور بواسیر کے غونی ذروں نے علامہ مرحوم کو نیجان کمر دیا۔ لیکن پھر بھی آپ برابر ہر سال ڈابھیل باجوڑ اطباء کے روکنے کے جاتے رہے۔ ۱۳۵۱ھ میں آپ اپنے معمول کے مطابق شعبان میں دیوبند آئے اور اس مرتبہ چند ماہ آرام کے خیال سے ڈابھیل جانے کا ارادہ ترک کیا۔ اور اپنے اس ارادہ سے ڈیڑھ دان جامعہ کو مطلع کر دیا۔

دیوبند میں زندگی کے آخری لمحات

جامعہ والے خوب سمجھتے تھے کہ اگر علامہ مرحوم کے اس ارادہ سے اور علمی مراکز مطلع ہوں گے تو وہ کسی قیمت پر بھی شیخ مرحوم کو نہ چھوڑیں گے۔ اس لئے جہنم صاحب جامعہ اور دیگر اراکین دیوبند حضرت مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تشویش و اضطراب کے ساتھ اپنے اس خیال کو علامہ مرحوم کے سامنے رکھا۔ اور جامعہ کی شدید ضروریات اور ڈیڑھ دان جامعہ کی پریشانی کا اظہار کر کے کہا کہ حضرت والا کسی قیمت اور کسی شرائط پر بھی ڈابھیل تشریف لے جانا چاہیں تو لے چلیں۔ علامہ مرحوم نے بڑی صفائی اور سچائی سے اپنے پھر اسی وعدہ کو دہرایا۔ اور ان کو مطمئن کیا کہ بعد صحت میں پھر ڈابھیل ہی آؤں گا۔ اس وقت بھی اکثر یونیورسٹیوں سے مثلاً ڈھاکہ، ممبئی، لاہور سے دعوت نامے آئے اور علامہ مرحوم کو بڑے بڑے مشاہروں پر بلا یا گیا۔ لیکن علامہ مرحوم برابر انکار فرماتے رہے۔ اور اپنے وعدہ اور ارادہ سے سب کو مطلع کرتے رہے۔ انہی ایام میں علامہ مرحوم کو چند سفر پیش آئے۔ اور آپ لدھیانہ امرتسر، لاہور وغیرہ تشریف لے گئے۔ اب علامہ

مرحوم کی باتوں سے لقائے حق کی آمد و تمنا ظاہر ہوتی تھی۔ اور آپ اکثر اپنی صحبتوں میں بڑی بیقراری سے بیتا بانہ وصال حق کی خواہش کا اظہار فرماتے تھے چنانچہ ان دنوں میں جہاں جہاں آپ نے تقریریں کیں وہاں کہا کہ میرے الفاظ کو گوشِ ہوش سے سنو کیونکہ یہاں شاید میری آخری تقریر ہے۔ علامہ مرحوم جب یہ کہا کرتے تھے تو سامعین کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں اور معتقدین دیواروں سے سر ٹکراتے تھے۔ لاہور میں شیخ مرحوم نے ڈاکٹر اقبال مرحوم وغیرہ سے ملاقات کی۔ اور کہا کہ میں نے بہت کچھ کام کیا تھا۔ لیکن زادراہ کے لئے کچھ نہ جمع کیا تھا۔ اب میں مطمئن ہوں کہ آخرت کے لئے میں نے زادراہ فراہم کر لیا ہے۔ اور وہ میری آخری تصنیف خاتم النبیین ہے۔ اور میرا ارادہ ہے اس کو اپنے خرچ سے شائع کر کے کہہ بند بیرون ہند میں اس کی اشاعت کروں۔ لیکن علامہ مرحوم کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ اور آپ کی یہ تصنیف آپ کے سامنے زیور طبع سے مزین نہ ہوئی۔ اور بعد میں مجلسِ علمی نے اس کو شائع کیا۔ جب علامہ مرحوم سفر سے دیوبند تشریف لائے تو فرمایا کہ دو سال سے والد صاحب مدظلہ اور اپنے عزیز واقارب سے نہیں ملا ہوں۔ ارادہ ہے کشمیر چلا جاؤں اور چند ماہ وہاں گزاروں دیوبند میں اس وقت موسمِ گرم تھا۔ اور حضرت والا جگر کی عادت اور صفرا کی زیادتی کی وجہ سے شب و روز بیقرار رہتے تھے۔ کشمیر جانے کا خیال اس وجہ سے بھی پیدا ہوا کہ وہاں کے مرغزاروں میں علامہ موصوف کو کچھ سکون میسر آئے۔ لیکن انہی دنوں میں علامہ مرحوم کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ اور اب سفر کرنے سے مجبور ہو گئے۔ مگر

آخری سفر تھا رنجشہار کا۔ آخری تقریر (۱۹۷۶ء)

حضرت علامہ میرے والد ماجد مرحوم کی تعزیت اور ناجیز راقم الحروف دعا سنی ہوئی کہ سارہندی کے لئے امرتسر تشریف لائے تھے۔ اور یہ آپ کا

پھر بھی ایام علالت میں آپ ملنے والوں سے بالکل اسی طرح ملتے تھے جیسا کہ حالت صحت میں وہی خندہ پیشانی دی تو وضع اور اسی طرح کی علی مجلسیں اور علی حقائق گفتگوں نہایت مدلل اور مکمل تقریریں، انتقال سے دو دن پہلے آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی۔ اور آپ نے پھر شمیر کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور پیر کا دن سفر کے لئے متعین کیا۔ جس روز کہ آپ یہ دن جانے کے لئے مقرر کر رہے تھے۔ اس روز اتوار تھا۔ اور اگلے روز آپ کو اس عالم فانی سے حقیقت میں سفر کرنا تھا۔ اور اپنے انتقال زمانی سے اس علی دنیا کو محروم کر دیا تھا۔ پیر کے دن شام کو مولانا محمد طیب صاحب جہتہم العلوم بعض اصحاب کے ساتھ حاضر ہوئے۔ احمد اکثر علی مسائل پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ علامہ مرحوم نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیتے رہے۔ اور چائے سے مولانا کی تواضع کی۔ علامہ مرحوم اس طرح گفتگو کر رہے تھے کہ کسی طرح بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ یہ جلیل القدر ہستی آج آخری گفتگو کر رہی ہے۔ اور یہ علی مسائل ان کی زبان مبارک سے آخری طور پر نکل رہے ہیں جہتہم صلا اجازت لے کر چلے گئے اور طلبہ و معتقدین کی آمد و رفت برابر جاری رہی۔ مغرب سے کچھ پیشتر علامہ مرحوم بیت الخلا گئے۔ اور وہیں پر آپ کو بوجھ میر کا خونی دودھ ہوا۔ جب شیخ مرحوم بیت الخلا سے آئے تو کمزوری اور ضعف و نقاہت اس قدر بڑھ گئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا آپ بیس سال سے کسی تھلک بیماری میں مبتلا ہیں۔ علامہ مرحوم باہر آ کر چار پائی پر لیٹ گئے۔ طاقت سلب ہو چکی تھی۔ ضعف اور کمزوری آپ پر غالب تھی۔ اضحال و نقاہت جسم پر طاری اور بوا سیر کا ہرگز

حملہ لیکن اس کے باوجود آپ کے ہوش و حواس بالکل صحیح تھے۔ اور رات کے بارہ بجے تک آپ متعلقین سے اسی اطمینان آمیزی اور خوبصورتی سے گفتگو کرتے رہے کہ کسی طرح اپنی جسمانی تکلیف کا اظہار نہ فرماتے تھے بارہ بار نہ بان پر کلمہ شہادت یا حسنا اللہ نعم الوکیل کے الفاظ تھے۔ اور گھر کے ہر چھوٹے بڑے پر گاہے گاہے محبت و شفقت کی نظریں ڈالتے تھے۔ بارہ بجے کے بعد آپ کی طبیعت نہایت خراب ہو گئی اور منٹ منٹ پر پانی مانگتے تھے۔ "حسنا اللہ و نعم الوکیل" کا درد زیادہ ہو گیا۔ اور آسمان کی جانب ایسی مضطرب نظریں ڈالتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ مرغ روح اس نفس مقصری سے پرواز نہ کر کے جلد آسمان کی بلندیوں پر جانا چاہتا تھا گھر کے اکثر لوگ سو گئے تھے لیکن چند عزیز علامہ مرحوم کی زندگی کے آخری لمحات کی بیش قیمت برکات سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ اور علامہ مرحوم سے آخری دعائیں لے رہے تھے۔ دو بجے کے بعد شیخ مرحوم کی بقیہ زیادہ ہوئی۔ اور آپ کبھی میٹھے تھے کبھی اٹھتے تھے اور پانی بہت زیادہ پینے لگے۔ لیکن علامہ مرحوم دو بجے تک خود اپنے ہاتھ سے پانی پیتے رہے۔ ڈھائی بجے اٹھے اور بڑی بیباکی سے پانی مانگا پیا اور ایک عزیز کو کہہ کر قریب ہی موجود تھا آواز دے کر کہا کہ بھی ڈرا مجھے کو سنبھال، اور کلہ حق پڑھ کر خود ہی قبلہ رخ ہو گئے اور اپنے آپ کو موت کے سیر و کر دیا۔ روح و جسم کا باہمی تعلق ختم ہو گیا۔ اور معارف اسلامیہ کا وہ زبردست دانا دار جس کے حقیقت افروز ارشادات سے مستفید ہونے کے لئے پڑے پڑے علامہ سیکڑوں میل کی مسافت طے کر کے دیوبند اور ڈابھیل پہنچے تھے

اور جن کی مجلس میں دینی اور عصری علوم کے بڑے بڑے فاضل ہوش درست کر کے بیٹھتے اور گوش شنوا سے اس کی ہر بات سنتے تھے آج اس تیرہ خاکن سے رخصت ہو گیا یہ صرف امام المحدثین حضرت شیخ الاسلام مولانا سید محمد اورشاد کی رحلت نہ تھی بلکہ اپنے وقت کے اس سب سے بڑے عالم و فاضل کا حادثہ وفات تھا کہ جن کی جامعیت، علم، تجربہ وسعت مطالعہ دیدہ و بینی اور ژرف نگاہی، وبے نظیر قوت بیانہ کو دیکھ کر دنیا نے عصر قدیم کے علماء و صلحا کی علمی قابلیتوں کا اعتراف کیا تھا، علماء و طلبہ اس حادثہ بجا کا بہ جس قدر بھی رنج کرتے بجا تھا اور عام مسلمان جس بے صبری اور بے تابی سے اس موقع پر آمادہ ہوا کرتے وہ درست تھا، چنانچہ نصف شب کے وقت ہی حضرت علامہ مرحوم کا مکان ہزاروں علماء و طلبہ اور عام مسلمانوں سے بھر گیا جو انتقال کی خبر سنکر روتے اور چیختے حضرت موصوف کے مکان پر جمع ہو رہے تھے۔

"انتقال کے بعد"

حضرت علامہ محترم نے ۲۴ صفر ۱۳۵۷ھ کی شب میں انتقال فرمایا۔ صبح سویرے حضرت مرحوم کی تنہی و تکفین کی تجویز تھی، مگر لاہور امرتسر، لدھیانہ، جالندھر، دہلی، میرٹھ، مظفرنگر، سہارن پور وغیرہ سے ہزاروں مسلمانوں کے برقی پیغام موصول ہوئے کہ تدفین میں ذرا تاخیر کی جائے تاکہ یہ سب مسلمان بھی نماز جنازہ میں شریک ہو سکیں، اور آخری بار علوم قاسمی و رشیدی کے اس وارث حقیقی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا علیہ کے اس سچے جانشین کی صورت دیکھ سکیں، شام تک آنے والی گاڑیوں، موٹر دوں بائگوں سے، دور دراز

سے ہزار ہا مسلمان دیوبند پہنچ گئے، ہر شخص روتا اور چیختا سواد شہر میں داخل ہوا یا تھا، خود دیوبند میں تمام بازار بند تھے، ہر گھر میں ہر شخص منہمک و اشکبارہ تھا، اور ہر سینے میں ہر دل فرط رنج و غم سے زار اندازہ تھا، والہ العلوم دیوبند کے محکم میں عصر کے وقت قطب وقت حضرت عیساں اصغر حسین صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور بعد عصر علوم و معارف اسلامیہ کا پیپیکر دیوبند کی عید گاہ کے قریب دفن کر دیا گیا، جہاں حضرت مرحوم کی وصیت کے مطابق آپ کے برادر نسبتی حکیم مولانا سید محفوظ علی صاحب نے مرنے کے دن ہی زمین کا ایک بڑا قطعہ خرید کر حضرت مرحوم کے لئے مستقلاً ایک قبرستان کا انتظام کیا تھا، لاکھوں مسلمان روتے چیخ و بکا کرتے حق تعالیٰ کی یہ بیش قیمت امانت اس کے سپرد کر آئے، اور اس مخزن علم و فضل کو سینکڑوں من خاک کے نیچے چھپا دیا، وفات کے وقت حضرت مرحوم نے تین لڑکے ایک برادر محترم مولانا سید محمد ازہر شاد قیصر برادر محرم سید محمد اکبر شاہ اور در اقم الحروف محمد منظر شاہ نیز دو لڑکیاں اپنی اولاد میں چھوڑی تھیں، گمبڑی بہن رمضان شہ میں میں عالم شباب میں انتقال کر گئیں، مجھے بڑا بھائی محمد اکبر مرحوم، جو اپنی ذہانت، ذکاوت، شوق علم اور سلامتی طبع کی بنا پر حضرت مرحوم کے بوجہ نمونہ تھے، میں ایک شدید اور طویل علالت کے بنا پر ہم سے رخصت ہو گئے، اب ہم دو بھائی اور ایک بہن بقیہ حیات ہیں، بڑا بھائی والدہ مدظلہ بھی ہم بچے بنواؤں اور غمزدوں کے سر پر رحمت، برکت کے ایک قیمتی کیسیت سے قائم ہیں، حق تعالیٰ والد مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ سے اور ہماری والدہ مہترمہ کو طویل عمر عنایت کرے۔

رد نظر

مذہب شیعہ کا آئینہ

(انرجانب سے لانا عبدالحق صمدی دین العلوم دیوبند)

اہل کے سوا کوئی دوسرا قانون قابل التفات و توجہ نہیں رہا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے ہزاروں خدا پرست جاہل سرفروش ہادیوں اور معلوموں کی ایسی عظیم الشان جماعت تیار ہو چکی تھی تھی جس کو قرآنی تعلیم کا مجسم نمونہ کہا جاسکتا تھا۔ مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا، معاہدہ رضی اللہ عنہم کامل و خاداری اور انہماک کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ عہد و پیمان پورے کر رہے تھے تمام مذاہب باطلہ کی غلاطی و گندگی دور کر کے مذہب سلام کا ڈنک چار دایک عالم میں بجایا جا رہا تھا۔ وہ کونسی جگہ تھی وہ کونسا زمانہ تھا۔

سنہ ہجری میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، تو ذی الحجہ جمعہ کے دن عصر کے وقت عرفات کے میدان میں اونٹنی پر سوار ہوئے اور چالیس ہزار سے زائد اتقیا و ابراہ کا مجمع آپ کے ارد گرد موجود رہا۔

جب اس شان و شوکت سے ایسے عظیم الشان جلسے کا انعقاد ہو چکا تو اس وقت خدائے قدوس نے تمام حاضرین جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے ان دفعات اور شاہدوں کا اعلان فرمایا، اس کے بعد کیا اسی دن توقف فرما کر اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ

الیوم یس للذین کفروا من دینکم فلا تخشوہم و اخشون دین سے ناامید ہو گئے۔ پس ان سے نہ ڈرو۔ بلکہ مجھ سے ڈرو۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام و میں تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور ہم نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

ان آیات شریفہ میں چونکہ چند اہم ترین امور و دفعات کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا ہے اس لئے نہایت ضروری امر ہے کہ اعلان کے زمانہ و مکان یعنی شان نزول کو عرض کر کے تمام دفعات پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ کر دیا جائے تاکہ آیات قرآنیہ کا مضمون آجھی طرح کھل جائے۔

ان آیتوں کا نزول ایسے زمانے میں ہوا جبکہ زندگی کے تمام شعبہ جات، علوم و ہدایات کے ہر باب کے متعلق ایسے اصول و قواعد مقرر کئے جا چکے تھے حقوق اللہ و حقوق العباد کے جزئیات و فروعات کا بیان ایسی جامعیت و تفصیل کے ساتھ ہو چکا تھا کہ متبعین اسلام کے لئے قیامت تک اس قانون

علیہ وسلم کو اپنے پاس واپس بلا لیا یہ دفعات حسب ذیل ہیں۔

دفعہ ۱۔ ایوم یثس الذین کفر وامن دینکم

یعنی آج کفار اس بات سے مایوس ہو گئے ہیں کہ تم کو تمہارے دین سے ہٹا کر پھر باطل کی طرف لے جائیں یا دین اسلام کو مغلوب کر لینے کی توقع رکھیں یا احکام شریعت میں کوئی تغیر و تبدل کر سکیں۔ کفار کا مایوس ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پہلے ہی وعدہ فرما چکے تھے کہ میں دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دوں گا۔ اگرچہ کفار پر یہ بات کتنی ہی شاق ہو۔

هو الذی ادسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظہر علی الدین کلہ و لو کرک المشم کون ہ لہذا اس اعلان میں اس وعدے کا ایفا کر دیا گیا کہ جو کفار پہلے غالب تھے اب مغلوب نہ ہیں گے۔ جو پہلے قاہر تھے اب مقہور نہ رہیں گے۔ جب دین اسلام کی قاہریت اور کفر کی مقہوریت کا اعلان ہو گیا تو ضروری ہے کہ یہ اعلان بھی ہو جائے۔

۲۔ فلا تخشوہم و اخشونی

یعنی اب تم کو کفار سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے نہ ان سے دہش کی ضرورت ہے نہ تقیہ کہہ کے ان کے دین میں داخل ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمارا اسلام قاہر غالب ہے۔ ہمارے اپنے محسن و منعم حقیقی کی ناراضی سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔

۳۔ ایوم اکملت لکم دینکم

یعنی آج تم کو کامل مکمل مذہب مل چکا ہے جس میں آئندہ کسی قسم کی ترمیم و تغیر و تبدل کا امکان نہیں ہے۔ واضح رہے کہ تکمیل سے یہ مراد نہیں ہے کہ آج تو ذی الحجہ کو کامل ہوا اس سے پہلے ناقص تھا ورنہ یہ لازم آئے گا کہ اس سے پہلے نبی کریم کی زندگی ناقص دین پر بسر ہوئی۔ دین کا ہر حصہ اپنے اپنے وقت میں وقتی ضروریات کی حیثیت سے کامل ہوا کرتا ہے بلکہ تکمیل دین سے یہ مراد ہے کہ تمام ادیان سابقہ کی تکمیل اپنے اپنے زمانے میں ایک مخصوص وقت تک محدود رہتی تھی۔ اس مخصوص وقت کے گزرنے جانے کے بعد دوسرے وقت کی ضروریات کے لحاظ سے وہ دین ناقص ہو جاتا تھا۔ اس لئے نئے دین اور قانون کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہ نقصان بھی ہمارے علم کے اعتبار سے ہے۔ خدائے قدوس کے علم کے اعتبار اور حقیقت کے لحاظ سے نہیں۔ ایک ماہر طبیب ایک طویل المرض مریض کو ایک نسخہ ایک ہفتہ کے استعمال کے لئے دیتا ہے۔ دوسرے ہفتے میں پہلا نسخہ ناقص ہو جاتا ہے۔ یہ نقصان مریض کے علم کے اعتبار سے ہے نہ کہ طبیب کے علم کی حیثیت سے۔ بخلاف اس کے دین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت تک کے لئے کافی ہے۔ تمام وہ امراض و بیماریاں جن میں پیدا ہونے والے ہیں ان کے لئے مکمل علاج اور شفا اس میں موجود ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی دوسرا معالج بنایا جائے کہ کہے کہ تو وہ حقیقتاً جاہل بلکہ ہو کر دینے والا ہے۔ اور وہ دوا کے بجائے زہر کی پیڑیہ دے رہا ہے جس کے کھانے کے بعد موت واقع ہو جانا ضروری ہے۔

۴۔ و اتممت علیکم نعمتی

اور رکوعات گئے تو کسی نے الفاظ احراف اور زیمہ نہ پر
تک شمار کر ڈالے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک
کوئی لمحہ کوئی ساعت ایسی نہیں بتلائی جاسکتی جس میں
ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں حافظ قرآن موجود
نہ رہے ہوں۔ حتیٰ کہ کسی مجلس میں اگر ایک بڑے عالم
باد جاہت سے ایک لفظ بھی چھوٹ جائے یا اعراب
میں غلطی ہو جائے تو ایک چھوٹا سا بچہ (حافظ قرآن)
بھی اس کو ٹوک دیتا ہے۔ چاروں طرف سے تصحیح کے
لئے آوازیں اٹھنے لگتی ہیں۔

۵۔ ورضیت لکم الاسلام دینا
یعنی اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین
کا انتظار نہ کرنا۔ یونانی اور حماقت ہے۔ اللہ نے ہمارے
لئے یہی دین پسند فرمایا ہے جسے اسلام کہتے ہیں اور
مسلمانوں کے لئے مسلمان کا لقب ہی پسند فرمایا گیا۔
سبحان اللہ دین اسلام کا مقبول اور پسندیدہ ہونا
دوسرے تمام ادیان و القاب کا مردہ ہونا متعدد
مقامات پر کھلے الفاظ میں بیان فرمایا۔

ان الدین عند اللہ الاسلام
ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه
وهو فی الاخرۃ من الخاسرین
ان آیات شریفہ کی مختصر تشریح کر دینے سے واضح
ہو گیا کہ جب ساری دنیا پر کفر و ضلالت کی تاریکی پھائی
ہوئی تھی، کفار، کفار، الحمد اور بے دین، دین کے ٹھیکیدار
بنے بیٹھے تھے۔ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے
چاہا کہ اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خاتم الانبیاء کو رجن کے بعد کسی دوسرے رسول کا

اس جملے میں دین اسلام والی نعمت کے اتمام
کا وعدہ ہو رہا ہے۔ اتمام کے معنی ابقا کے آتے
ہیں۔ یعنی نعمت اسلام کو باقی رکھوں گا۔ باقی رکھنے کے
معنی یہ ہیں کہ چور، ڈاکو اور دہاڑن سے پوری پوری
حفاظت کروں گا۔ گویا اس وعدے کا ایفا ہو رہا ہے
جو پہلے اس آیت میں فرمایا گیا تھا۔

نحن نزلنا القرآن وانالہ لحافظون۔
قابل غور بات ہے کہ کتنے پیر زور والے الفاظ ہیں
ذکر یعنی دین و قرآن حکیم کی حفاظت کا وعدہ خود
خداوند قدوس فرما رہا ہے۔ خدائے عزوجل کا وعدہ
ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت انفرادی ہو یا اجتماعی قرآن
شریف میں کوئی تغیر و تبدیل کرنا چاہے کبھی بیشی کا ارادہ
کرے۔ تحریف معنوی و صورتی کا قصد کرے یا اس
کو چھپا کر کہیں بھاگ جانے کا ارادہ کرے تو یہ ناممکن
ہے۔ کیونکہ اس کی حفاظت کرنے والے خود ہم ہیں ہماری
حفاظت میں کوئی خلل امانہ نہیں ہو سکتا۔ سبحان اللہ!
دنیا نے دیکھا کہ قرآن حکیم کی حفاظت کا یہ خدائی وعدہ
ایسے کامل اور حیرت انگیز طریقے سے پورا ہوا کہ
رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے ضدی اور مغرور
مخالفین کے سر نیچے ہوئے ہر زمانے میں اللہ تبارک
و تعالیٰ نے ایسی کثیراتعداد جماعتیں پیدا فرمائی ہیں
جنہوں نے قرآن شریف کی ہر طرح پوری پوری حفاظت
کی ہے۔ مثلاً علماء عربین نے صفائی، مطالب اور
مقاصد کی حفاظت فرمائی۔ کاتبوں نے رسم الخط کی
حفاظت کی قادیوں نے طرہ ادا اور لہجوں کی نگرانی
کی اور الفاظ و حروف حرکات و سکنات آیات
و ضمرہ کی پوری پوری حفاظت فرمائی کسی نے سوچیں

آنا ناممکن ہے) ایک ایسا مکمل اور ابدی دین دے کر بھیجا جائے جو کہ باقی تمام ادیان پر غالب ہو کر قیامت تک باقی رہے۔ اس دین کی تکمیل کر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس واپس تشریف لے جائیں جیسا کہ

هو الذي ارسل رسولہ بالهدى ودين الحق ليظهر على الدين كله کا واضح و صریح مفہوم ہے۔

اب مذہب شیعہ کا آئینہ سامنے رکھ کر عدل کی عینک آنکھوں پر لگا کر تعصب و ضد کی میں کچیل کو دل سے نکال کر مسند انصاف پر بیٹھ کر غور سے دیکھنا ہے کہ کیا یہ اغراض و مقاصد بشارتیں اور اعلانات خداوندی جن کا اوپر ذکر ہوا صداقت و حقیقت پر مبنی تھے یا خدائحات ایک دھوکہ اور جعل سازی تھی۔ اگر صداقت پر مبنی تھے تو کیا دنیا میں پورے ہو کر رہے یا کوئی ایسی طاقت ابھر کر سامنے آئی جس نے تمام اغراض و مقاصد خداوندی کو پامال کر کے اپنے اغراض و مقاصد نافذ کر دیئے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ پہلے شیعہ مذہب کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ آسانی سے یہ حقیقت سمجھ میں آجائے

حضرات شیعہ کا اعتقاد اصلی اور مذہب

یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو سوائے پانچ یا سات آدمی کے باقی تمام وہ چالیس ہزار سے زائد کا جمع جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ و حجت الوداع میں جمع تھے جس میں خداوند قدوس نے اعلان فرمایا تھا کہ کفار تمہارے دین کو مغلوب کرنے سے باز رہیں ہو گئے۔ تمہارا دین

کامل اور غالب ہو گیا) لغو ذبا اللہ، مرتد کا قرعے میں جابر و ظالم اور غاصب بن گیا، رسول کا دشمن اہلبیت کا دشمن، قرآن مذہب و ملت کا دشمن ہو کر رہ گیا۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو نبوت ملنے کے بعد ۲۳ سال تک صحابہ کے اتاذ، معلم اور مربی و معز کی رہے صحابہ نے ان کے جنازے تک کی پیروی و ادائیگی کی بلکہ اپنی حکومت، بادشاہت حاصل کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ چنانچہ تمام صحابہ نے باستثناء چند (چار پنج) اتفاق کر کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا بادشاہ نائب رسول مقرر کر لیا۔ سارے دین و مذہب و ملت پر ان کا تسلط ہو گیا۔ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، کلمہ طیبہ، قرآن مقدس، توحید نبوت، الغرض دین کے تمام اجزاء کفار کے (یعنی صحابہ رسول جن کو شیعہ ایسا سمجھتے ہیں) قبضے میں چلے گئے۔ چند روز توقف کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے باقی چند رفقاء نے بھی خلیفہ وقت کی ریشمیوں کے خیال میں کافرو مرتد تھے) بیعت کر لی۔ اور تمام احکام دین میں اپنی کفارہ و مرتدین کا اتباع کرنا شروع کر دیا۔ دو سال چند ماہ خلیفہ اہل نے (حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) خلافت کے کام انجام دیئے۔ دو سال چند ماہ مکہ خلیفہ ثانی (حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) نے خلافت کی۔ اور بارہ سال تک خلیفہ ثالث (حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے۔ غرض تقریباً ۲۴ سال سے زائد بقول حضرات شیعہ کفارہ و مرتدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گدی پر قبضہ جمائے رہے (لغو ذبا اللہ) اس لئے انہوں نے دین کے ہر جز کو تہہ بالا کر دیا۔ مذہب و ملت

کی صورت مسخ کر دی۔ ان کے بعد فقط چار سال برائے نام خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی، اس زیادہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام مسلمانان عالم کے حاکم و بادشاہ تو رہے لیکن وہ دین اسلام جس کو تینوں خلفاء کے زمانے میں دہرے شیعہ حضرات نیست و نابود کر دیا گیا تھا، تادمح جسے قبیح بدعت رائج کر دی گئی تھی، منہجہ جیسے عظیم الشان نعمت سے (جس کے ایک دفعہ کر لینے سے قیامت تک ہزار ہا نیکیاں لکھی جاتی ہیں) مسلمانوں کو محروم کر دیا گیا تھا قرآن شریف جس میں ہزار ہا نیتیں کی گئی تھیں، اور اس میں تغیر تبدیل کر کے ملک میں شائع کر کے سارے عالم کو اسی کا عامل بنا دیا گیا تھا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت جگر ہیں، ان کے مال وراثت کو غصب کر لیا گیا تھا۔ اس سارے گہڑے ہوئے دین اسلام سے ایک حرف کی اصلاح نہیں فرمائی، بلکہ وہی کفار و مرتدین کا رائج کیا، ہوا دین اسلام باقی رہا۔ اس پر خود بھی عمل کرتے رہے۔ اور تمام مسلمانوں کو بھی اسی پر چلاتے رہے بلکہ کفار کے اس رائج کردہ دین اسلام پر عمل نہ کرنے والوں پر حدود و قصاص جاری فرماتے رہے، ان کو سزائیں دیتے رہے۔ حضرت علی نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ خدا نخواستہ وہ عاجز تھے۔ ان کے پاس طاقت اور قوت نہ تھی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہر قسم کی مادی اور روحانی مکمل طاقتیں موجود تھیں۔ مادی طاقت تو ظاہر ہے کہ آپ حاکم وقت تھے ساری فوج اور خزانے آپ کے قبضے میں تھے۔ اور روحانی طاقت کا نور برہم سید حضرات (یہ عالم تھا

کہ عصا موسیٰ آپ کے پاس تھا، سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی آپ کے پاس موجود تھی، اسم اعظم آپ کو معلوم تھا۔ اعصار موسیٰ چھوڑ دیا جاتا تو آذر دبا بن کر سب کو نکل جاتا، انگشتری پہن لینے سے جنات کا لشکر مسلح ہو کر حاضر ہو جاتا اور یہ سب تو فقط اسم اعظم پڑھ کر سب کو فنا کر سکتے تھے۔ یا وجود اس عظیم الشان طاقت کے مالک بننے کے گہڑے ہوئے دین اسلام کی اصلاح کیوں نہیں فرمائی، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وصیت تھی جس کی وجہ سے مجبور تھے، وصیت کے الفاظ یہ ہیں:-

فكان فيما اشترط عليه النبي باهم جبرئيل عليه السلام فيما امر الله عز وجل ان قال له يا علي نفني بما فيها من موالات من والى الله ورسوله والبراءة والعدالة لمن عادى الله ورسوله والبراءة منهم على الضبر منك وعلى كظم الغيظ وعلى ذهاب حقد وقصبة خمد وانتهاك حرمة فقال نعم.....

فقلت نعم قبلت ورضيت وان انتهك الحرمه وعطلت السنن ومزق الكتبا وهدمت الكعبة وخصبت الحيتي من راسي بدو عبيط صابراً محتسباً ابداً حتى اقدم عليك (اصول کافی)

(ترجمہ) جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے اللہ عز و جل کے حکم سے حضرت علی سے عہد لیا تھا، اس میں یہ مضمون تھا کہ آپ نے فرمایا کہ اسے علی جو کچھ اس عہد نامہ میں ہے، اس پر عمل کرنا یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہوں، ان سے محبت کرنا، اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہوں، ان سے

عداوت و بیزاری رکھنا۔ مگر اس کے ساتھ تم کو صبر بھی لازم ہے۔ اپنے غصہ کو ضبط کرنا اپنی حق تلفی پر اور اپنے غم کے غضب ہو جانے پر اور اپنی اہم و دینی پر حضرت علیؑ نے کہا "ہاں" ! میں نے قبول کیا اور راضی ہو گیا۔ اگرچہ میری بیعتی

کی جائے اور احکام دین معطل کر دیئے جائیں اور قرآن پھاڑ ڈالا جائے۔ اور کعبہ گرا دیا جائے۔ اور میری ڈاڑھی میرے سر کے تازہ خون سے رنگین کر دی جائے ہمیشہ صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ جاؤں (یعنی مرجاؤں) (باقی آئندہ)

سے مزائیت

قادیانیت کا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں

ڈاکٹر اقبال مرحوم کی تصریحات اور مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ

نمبر (۲)

(ان جناب مولانا میکسیاح الدین صاحب کاکا خیل)

مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں کہا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کو حکومت سے اس امر کی شکایت ہے کہ اس نے مرزا صاحب کے خلاف وہی طریقہ عمل کیوں اختیار نہیں کیا۔ جو رومی حکام نے مسیح علیہ السلام کے متعلق کیا۔ گویا وہ رومیوں کے اس فعل کو مستحسن قرار دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے جریۃ "اسلام" کے ایک خاص نامہ نگار سے فرمایا کہ

ڈاکٹر اقبال مرحوم کا بیان یہ قادیان کے فن غلط بیانی کا ایک خاص

اپنے ہی خیالات نظر آتے ہیں۔ چونکہ ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ میرے بیان کے اصلی سمبست کے متعلق کیا کہیں۔ لہذا انہوں نے اپنے غریب متبعین اور شاید حکومت کو بھی اس غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ اگر میرے نزدیک یہودی اہل روم کے زیر حکومت اس سے کہیں زیادہ محفوظ تھے جتنے کہ ہندوستانی مسلمان دولت پرانی کے ماتحت، تو اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ میں رومی گورنر کے اس فعل کو کہ اس نے مجلس یہود کے فیصلے کی تصدیق کی، اخلاقی اعتبار سے مستحسن سمجھتا ہوں۔ اس سے بڑی غلط بیانی کا شاید ہی امکان ہو سکتا تھا۔ اس لئے کہ مجھے اس امر کا خیال تک بھی نہیں تھا۔ کہ رومیوں کے اس فعل کا اخلاق کی روشنی میں جائزہ لوں برعکس اس کے میں نے موجودہ صورت حالات پر محض

نمونہ ہے۔ مرزا محمود احمد نے میرے الفاظ کو وہ معنی پہنانے کی کوشش کی ہے۔ جن کا خود مجھے بھی خیال نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو میری عبارت میں

سیاسی اعتبار سے نظر ڈالی تھی بحث صرف یہ ہے کہ رومی حکومت آئینی اعتبار سے اس بات پر مجبور تھی کہ ان تمام امور کے متعلق جن سے یہود کو امتزاج ملی کا اندش ہو مجلس یہود کے فیصلوں کی تصدیق کرے خواہ وہ ٹھیک ہوں یا غلط یہ الگ بات ہے کہ مسیح علیہ السلام کے خلاف قانوناً جو کارروائی کی گئی اس میں بدقسمتی سے رومیوں کو بروئے آئین مجلس یہود کا ایک ایسا فیصلہ تسلیم کرنا پڑا جس کا تعلق ہمارے اعتقاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ایک سچے نبی سے تھا۔ اگر یہ واقعہ کسی ایسے شخص کا ہوتا جو مذہب کو اپنی ذاتی اعراض کے لئے استعمال کرتا تو رومیوں کے اس فعل پر کہ انہوں نے مجلس یہود کے فیصلہ کی تائید کی، اختلافاً کسی شخص کو اعتراض نہ ہوتا یا یہ ہم اس تحفظ کی قدر و قیمت سے کیوں کر انکار کر سکتے ہیں جو اہل رومان نے یہود کو دے رکھی تھی۔ یہ جداگانہ امر ہے کہ اخلاقی اعتبار سے ہم اس کے متعلق مختلف رائے رکھتے ہوں۔ ممکن ہے ایک دن خود قادیانی بھی اس قسم کے تحفظ کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ انہوں نے شرعی اصطلاحوں کو جس طرح کھیل بنا رکھا ہے اس سے کئی عین بنو کا ظہور بلکہ کامیابی ممکن ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا حلقہ اثر اتنا بڑھ جائے کہ جماعت احمدیہ کو اس سے خطرہ محسوس ہونے لگے۔ تعجب ہے کہ جس فرقے کا وجود اور کامیابی بجائے خود ایک جدید الحیال حکومت کی آرزو خیال سے مترتب ہوئی وہ ہمارے اس مطالبے پر کہ ملت اسلامیہ کے استحکام کو مذہبی دعویداروں سے محفوظ رکھا جائے حقیقی کا اظہار کر رہا ہے۔

علیٰ ہذا میرے اس بیان کے متعلق قادیانی منطق پھر اسی غلط نتیجے پر پہنچتی ہے کہ میری تجویز کے مطابق حکومت

برطانیہ کو چاہیے تھا کہ قادیانیت کو جبراً مٹائے۔ میں نے اس امر کی صاف و صریح طور پر وضاحت کر دی تھی کہ ہندوستان کے اندر جو خصوصیت کے ساتھ مذاہب وادیان کا ملک ہے مذہبی معاملات میں عدم مداخلت کی روش ناگزیر ہے۔ میں خود آزاد خیالی کا کچھ ہیئت زیادہ معترف نہیں اور میرے نزدیک یہ عبارت ہے ان خیالات سے جن سے انسان اپنی صحیح حیثیت کھو بیٹھا ہے بایں ہم میں نے اس امر سے کبھی انکار نہیں کیا کہ موجودہ دنیا میں رواداری ایک زبردست قوت ہے۔ معلوم ہوتا ہے مرزا محمود احمد یا تو لفظ "ناگزیر" کا مطلب نہیں سمجھتے یا خواہ مخواہ اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔

ممکن ہے دولت روم و اجانب مسیح علیہ السلام اور ان کے متبعین کو ایک نئی دینی جماعت تسلیم کر لیتی لیکن یہود کے تحفظ کا یہ طریق ممکن نہ تھا۔ اس لئے کہ جب مسیح علیہ السلام کو ہیلطوس کے سامنے پیش کیا گیا ہے تو اس وقت کوئی شخص ان کا پیرو نہ تھا۔ دولت برطانیہ پر کیفیت نظامی لحاظ سے قادیانیوں کو ایک الگ اقلیت قرار دے سکتی ہے میری دیا شدہ رائے اسے اس صلح و امن کا یہی راستہ ہے خود قادیانیوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت کے اندر خواہش نہ کریں جو ان کے نزدیک اسلام سے خارج ہے۔ (مندرجہ بالا طبع اسلام المہج ۱۹۲۲ء) مندرجہ بالا فیصلہ کن بیانات کی طرح ایک مراسلہ اور بھی ہے جو اکثر اقبال مرحوم نے اسٹیشن کے مقالہ افتتاحیہ مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۳۵ء کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔

سٹیشن

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب سٹیشن جناب والا۔ میں اس مقالہ افتتاحیہ کے لئے آپ کا شکریہ ادا

ہوں جیسے آپ نے ہڈی کی اشاعت میں سپرد قلم فرمایا
 آپ نے جو سوال اٹھایا ہے بیشک نہایت اہم ہے اور
 میں خوش ہوں کہ آپ نے ایسا کیا میں نے اپنے بیان
 میں اس کا ذکر صرف اس خیال کی بنا پر نہیں کیا تھا کہ
 جب سے قادیانیوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہے
 کہ وہ ایک جدید نبوت کی بنا پر اپنی جماعت الگ کر لیں
 کریں اور جب سے اس طرز عمل کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں
 کے جذبات شدت کے ساتھ برانگیختہ ہو گئے ہیں یہ
 فرض حکومت کا تھا کہ وہ سرکاری طور پر مسلمانوں
 اور قادیانیوں کے اس بنیادی فرق کا اعتراف کرتی۔
 اس معاملے میں اسے مسلمانوں کی باقاعدہ کالت کا
 انتظام نہیں کرنا چاہیے تھا میرے اس خیال کو حکومت
 کے اس طرز عمل کو دیکھتے ہوئے جو اس نے سکھوں کے
 متعلق اختیار کیا تھا اور بھی تقویت جوئی ۱۹۱۹ء تک سکھوں
 کو سرکاری طور پر ایک جداگانہ سیاسی جماعت نہیں تسلیم
 کیا جاتا تھا لیکن اس کے بعد انہیں بغیر کسی مطالبے کے
 خود بخود الگ کر دیا گیا حالانکہ لاہور ہائی کورٹ نے
 سکھوں کو بندہ وہی قرار دیا ہے۔
 بہر کیف اب جب آپ نے یہ سوال اٹھا دیا ہے میں
 ایک ایسے معاملے کے متعلق جو میرے نزدیک مسلمانوں اور
 اہل برطانیہ دونوں کے لئے بیحد اہم ہے چند باتیں
 عرض کروں گا۔ آپ مجھ سے اس امر کی وضاحت چاہتے
 ہیں کہ اگر کسی قوم میں دینی تفرقات رونما ہو جائیں تو
 کب اور کن حالات میں حکومت کا ان کو سرکاری طور پر
 تسلیم کر لینا مجھے ناگوار نہیں ہوگا اس کا جواب یہ ہے
 اولاً ملت اسلامیہ کی اساس خالصتہً مذہب پر ہے
 اور اس کے حدود بالکل عین یعنی ایمان بالتوحید ایمان

بالانبیاء اور اس بات کا اقرار کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم خاتم النبیین ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ آخری
 عقیدہ حقیقتہً ایک مسلم اور غیر مسلم کے درمیان حد فاصل
 ہے جس کے ماتحت ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا کوئی
 فرد یا جماعت ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں !
 مثال کے طور پر برہمہ جو خدا کے قائل ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ
 وسلم کو نبیوں میں سے ایک ہی سمجھتے ہیں۔ یا یہ ہمہ ہم
 ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اہل قادیان کی
 طرح وہ بھی مسلسل نبوت کو مانتے ہیں اور جناب رسا کتاب
 صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تصور نہیں کرتے۔ جہاں
 تک میری معلومات کا تعلق ہے آج تک کسی اسلامی فرقے
 نے اس حد فاصل سے تجاوز نہیں کیا بہائیوں نے ایران
 میں کھلم کھلا عقیدہ ختم نبوت کا اعلان کیا مگر ساتھ ہی اس
 بات کو بھی تسلیم کر لیا کہ وہ اصطلاحاً مسلمان نہیں بلکہ
 ایک نئی ملت ہیں۔ ہم مسلمانوں کے عقیدے میں اگرچہ اسلام
 اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہے لیکن بحیثیت ایک قوم یا
 ملت کے اس کا انحصار محض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی
 شخصیت پر ہے میرے نزدیک قادیانیوں کے لئے صرف
 دو ہی راستے ہیں بہائیوں کی تقلید یا ختم نبوت کا
 پورے پورا اقرار اور اس کی جملہ تاویلات کا غاتمہ چونکہ
 سیاسی فوائد کی بنا پر ان کی یہ خواہش ہے کہ مسلمانوں
 میں طے رہیں اس لئے وہ اس عقیدہ کی نہایت
 شاطرانہ چالیں تاویل میں کرتے رہتے ہیں
 ثانیاً ہمیں اس طرز عمل کو بھی فراموش نہیں کرنا
 چاہیے جو قادیانیوں نے دنیا کے اسلام کے متعلق
 اختیار کیا ہے۔ بانی قادیانیت نے ملت اسلامیہ
 کو سڑے ہوئے اور اپنی جماعت کو تازہ و دھوا

سے تشبیہ دی ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو ہدایت کی ہے کہ مسلمانوں سے میل جول ترک کر دیں مزید برآں ان کامیابیات سے انکار بحیثیت جماعت ایک جدید نام احمدیت اختیار کرتا، مسلمانوں کے ساتھ نمازیں شریک نہ ہوتا، از دواج وغیرہ میں ان کا معاشرتی مقابلہ اور بالخصوص یہ کہ اپنے سوا تمام عالم اسلام کو "کافر" قرار دینا یہ سب امور اس بات کی دلیل ہیں کہ خود قادیانی بھی اسلام سے الگ ہونا چاہتے ہیں۔ بلکہ ان حقائق سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاید کچھ بھی ہندوؤں سے اس قدر دور نہیں جتنے قادیانی مسلمانوں سے کیونکہ سکھوں اور ہندوؤں میں رشتہ از دواج جائز ہے حالانکہ کچھ ہندوؤں کے مندروں میں عبادت نہیں کرتے نہایت اگر قادیانی اپنی دینی اور معاشرتی زندگی میں مسلمانوں سے علیحدہ رہتے ہوئے بھی سیاسی اعتبار سے ان میں شامل رہنا چاہتے ہیں تو اس بات کے سمجھنے کے لئے کسی خاص ذہانت کی ضرورت نہیں۔ مسلمان بن کر انہیں سرکاری ملازمتوں کے حصول میں جو فائدہ پہنچتا ہے اس سے قطع نظر کہ کر لیجئے تب بھی ان کی موجودہ تعداد کو دیکھتے ہوئے جو گزشتہ مردم شماری کی رو سے صرف ۵۶ ہزار ہے انہیں مجلس و لائحہ عمل میں کوئی نشست نہیں ملے گی۔ ان معجزوں میں آپ سیاسی کا لفظ استعمال کرنا درست نہیں یہی وجہ ہے کہ خود انہوں نے بھی اس وقت سیاسی اعتبار سے اپنی کارہیثیت سوانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ انہیں خوب معلوم ہے کہ جمعیت ہائے مقتدہ میں ۱۵۰ ایک نشست کے بھی مجاز نہیں لیکن نئے دستور کے ماتحت

ایسی اقلیتوں کا تحفظ بھی ممکن ہے میرا خیال ہے کہ خود قادیانی کبھی حکومت سے علیحدگی کی درخواست نہیں کریں گے۔ البتہ مسلمان اس معاملے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ ان کو فوراً ہم سے الگ کر دیا جائے اور حکومت کا اس مطالبے کو منظور نہ کرنا گویا ہندوستانی مسلمانوں کے اندر یہ بدگمانی پیدا کرنا ہے کہ دولت برطانیہ نے اس جدید مذہب کو اپنے فائدے کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ اور ان کی علیحدگی میں اس لئے تاخیر کی جا رہی ہے کہ ابھی اس کے ماننے والوں کی تعداد نہایت کم ہے۔ اور وہ پنجاب میں سیاسی اعتبار سے ایک چوتھی قوم نہیں بن سکتے جس سے مسلمانوں کی ذرا سی اکثریت جو انہیں مجلس وضع قوانین میں حاصل ہے کامیابی کے ساتھ ختم ہو جائے۔ ۱۹۱۹ء میں حکومت نے سکھوں کی طرف سے اس بات کا مطلق انتظار نہیں کیا تھا کہ وہ باقاعدہ طور پر ہندوؤں سے علیحدگی کی خواہش ظاہر کریں۔ قادیانیوں کے معاملے میں انہیں اس قسم کی باقاعدہ نیابت کا کیوں انتظار ہے؟

آپ کا

محمد اقبال

(بحوالہ طلوع اسلام)

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اپنے ان مقالات میں نہایت صراحت کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ مرزائیوں کا مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی تعلق باقی نہیں۔ اور جب مرزائی دینی اور معاشرتی زندگی میں مسلمانوں سے یکسر جدا ہیں تو حکومت اور مسلمانوں کو چاہیے کہ سیاسی اعتبار سے بھی ان کو مسلمانوں سے علیحدہ رکھیں اور عملاً

نے اپنے ان مقالات میں اپنے مخالفین کے مخصوص اذیان کا خیال رکھتے ہوئے اس چیز پر زیادہ زور نہیں دیا اور مذہبی طور سے جو اعتراضات وارد ہو سکتے تھے ان کو زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے سیاسی نقطہ نظر سے بحث کی ہے۔ اور اس بات کو پیش کیا ہے کہ مرزا صاحب نے خود اور اس کے بعد اس کی امت نے

(۱) بار بار اپنے ماسواغیر مرزائیوں کو کافر کہا اور تمام دنیا نے اسلام کے مسلمانوں کو "مٹرے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی ہے۔

(۲) مرزا صاحب نے اپنے ماننے والوں کو مسلمانوں سے میل بول ترک کرنے کی ہدایت کی

(۳) بحیثیت جماعت ایک جدید نام "احمیت" اختیار کیا۔

(۴) مسلمانوں کے ساتھ وہ تادمیں شریک نہیں ہوتے

(۵) ازدواج وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ معاشرتی

مقابلہ کر رہے ہیں۔

اور اس قسم چیزوں کو وہ دلیل ٹھہرا رہے ہیں۔ کہ خود قادیانی بھی اسلام سے الگ ہونا چاہتے ہیں۔ اور جب وہ الگ ہونے کے لئے کوشش کر رہے ہیں تو پھر کیا مسلمانوں کی اتنی بڑی اکثریت کے لئے یہ بے غیرتی نہیں کرالیے

حقائد و خیالات والے گروہ کو بہ زور اپنی طرف منسوب کرنے پر اصرار کر رہے ہیں۔ یا حکومت ان کو مسلمانوں میں داخل سمجھتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب مروجہ نے جن باتوں کو بطور دلیل پیش

کر کے مسلمانوں سے مرزائیوں کی علیحدگی پر زور دیا ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے

ثابت کر دیں کہ یہ جدید مذہبی فرقہ ہے جو بنیادی امور میں ملت اسلامیہ سے جدا ہو کر ایک علیحدہ اقلیت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اور آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں سے "غلام قدی" کے نام لپیٹاؤں کا کچھ بھی تعلق نہیں۔ جو لوگ ہمیشہ علماء کرام کی اس قسم کی تنہات اور مفید اصلاحی بیانات کو ان کی تنگ نظری "تنی سبیل اللہ" "ناد" اور "کفر گری" ٹھہرا کر بے قدر ہی کرتے ہیں اور مرزائیوں کو بھی دائرہ اسلام

میں داخل اور "مسلمان بھائی" سمجھ کر ان کے ساتھ سیاسی اشتراک کو جائز بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب

مروجہ کی ان تصریحات کو بغور پڑھ لیں۔ اور جس طرح مروجہ کی بعض سیاسی آراء کو انہوں نے آج کل ایمانیہ

میں شامل اور ہمارے نجات ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح ان کے اس مذہبی نظریہ کو بھی اپنا کر ان کو کچھ عقیدت کا ثبوت

دینا چاہیے۔ اور بر ملا اعلان کرنا چاہیے کہ مرزائیوں کے دونوں گروہ یعنی قادیانی اور لاہوری دائرہ اسلام

سے خارج اور مسلمانوں سے بالکل علیحدہ ہیں۔ اور مسلم جماعتوں میں ان کا اشتراک اور مسلمانوں کے مخصوص مفاد

سے ان کا انتفاع مسلمانوں کی نمایندگی اور اس قسم کے دوسرے امور بالکل ناجائز اور غلط ہیں۔ اور عملاً

ثابت کرنا ہو گا کہ ہم ان کو ہر طرح سے ایک علیحدہ مذہبی فرقہ اور ایک سیاسی اقلیت سمجھتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے تمام پیروکار اپنے عقائد و نظریات کی بنا پر اسلام سے خارج

اور دائرہ کفر و انہاد میں داخل ہیں۔ اور یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے جس کو ثابت کرنے کے لئے

دفتر کے دفتر لکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب مروجہ

پیر و دس کے اقوال اور مستند حوالوں سے ان کو ثابت کیا جائے تاکہ قارئین کرام کو پوری بصیرت حاصل ہو۔
غیر مرزائیوں کی تکفیر | مرزا صاحب نے متعدد مقامات پر بڑی شد و مد کے ساتھ

نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور نیز جگہ بہ جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص کسی نبی کی نبوت کا انکار کرے اور اس پر ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہو جاتا ہے

ان دونوں مقدموں کے ملانے سے یہ نتیجہ خود بخود نکل آتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ خود مرزا صاحب کی کتابوں میں تصریح بھی یہ موجود ہے کہ وہ تمام غیر مرزائیوں کو کافر جنہی اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں چنانچہ مرزا جی لکھتے ہیں۔

(۱) ان الہامات میں میری نسبت بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ۔ اور اس کا دشمن جنہی ہے، (انجام آتھم ص ۲) (۲) اور ہر ایک مسلمان کو دینی امور میں میری اطاعت واجب ہے۔ اور مسیح موعود ماننا واجب ہے۔ اور ہر ایک جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے گو وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھہراتا۔ اور نہ مجھے مسیح موعود ماننا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے وہ آسمان

پر قابل مواخذہ ہے کیونکہ جس امر کو اس نے اپنے وقت پر قبول کرنا تھا۔ اور اس کو رد کر دیا۔ (تحفۃ اللہ ص ۷)

(۳) علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پشتگونی موجود ہے۔۔۔۔ اور خدا نے میری سچائی کی گواہی کے لئے تین لاکھ سے زیادہ آسمانی نشان ظاہر کئے۔ اب جو شخص خدا اور رسول کے احکام نہیں مانتا۔ اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔ اور خدا کا قائلے کے نشاں کو رد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صد ہا نشاںوں کے مفتری ٹھہراتا ہے۔ تو وہ دھوکا کھینچ رہا ہے۔ اور اگر وہ دھوکا کھینچ رہا ہے تو جہنم میں داخل ہوگا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۲)

(۴) خدا قائلے نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے۔ اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے (مرزا کا قول مندرجہ سالہ الذکر) (نمبر ص ۲)

(۵) اب کس قدر تعجب کی جگہ ہے کہ میرے مخالف میرے پر وہ اعتراض کرتے ہیں جس کی رو سے ان کو اسلام ہی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ اگر ان کے دل میں تقویٰ ہوتا تو ایسے اعتراض کبھی نہ کرتے۔ جن میں دوسرے نبی شریک غالب ہیں۔ (راغبات احمدی ص ۷)

(۶) میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ الحمد للہ سے لے کر اٹھ

لے مسلمان کے لفظ سے دھوکے نہ آتا چاہئے کیونکہ مرزا محمود وغیرہ بار بار لکھتے چلے آئے ہیں کہ جہاں کہیں غیر حدیثوں کے لئے مسلمان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اس سے مراد رسمی مسلمان ہوتے ہیں مسلمان کا لفظ یہ لحاظ قوم ہے اور شرعی فتویٰ جو کسی نبی کے انکار پر لازم آتا ہے وہ اور بات ہے۔ مرزا صاحب نے خود بھی کہا تھا۔ جو دو دھوکے آواز کو نہ مسلمان را مسلمان باز نہ کر دند گویا ان کے دلوں میں غیر مرزائی مسلمان مسلمان نہیں ۱۷

عیسائیت

عقیدہ تثلیث

(از محترم مولانا قاضی فہیمیل الرحمن صاحب مظاہری، ریاست جہلم)

ہے۔ اور جس پیار کی میں مبتلا ہو گئی ہے، گھر کے بھیری اس سے خوب واقف ہیں، مگر موجودہ دور غاذوں اور میک اپوں کا ہے، نئے نئے غاذے ایجاد کئے جاتے ہیں، شہری اور روپہلی کلیوں کے زور پر نئے نئے بھر دیوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ کہ یہ جنازہ کتنی دور تک لے جایا جاسکے! اچھا ہے جو راہے کی چھوٹی ہوئی مہنڈ یا باعث تنگ ہی ہوتی ہے۔ بڑے سے بڑا پوپ، پادری، تبس بھی اس عقیدہ کے آسمانی عقیدہ ہونے کا عقلی یا نقلی ثبوت دینا نہیں کر سکتا۔ آج ہم اس عقیدہ پر ایک جامع مائع بحث کرنا چاہتے ہیں۔ عیسائیوں ہی کے نقطہ نظر سے انہی کی معتبر دستہ کتابوں کے حوالے سے اور ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث ایک من گھڑت عقیدہ ہے۔ اسے آسمانی سند ہرگز حاصل نہیں، مقصد مناظرہ و مجادلہ نہیں، محض احتقاق حق اور فریضہ تبلیغ کی بجا آوری پیش نظر ہے۔ شاید کوئی اللہ کا بندہ بھٹکے ہوئے راستہ سے ماہ راست پر آجائے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر بحث طویل ہوتی نظر آ رہی ہے امید ہے ناظرین کرام مولد ہوں گے۔ واللہ الموفق للعین۔

اگرچہ توریت و انجیل میں کسی جگہ بھی لفظ تثلیث موجود نہیں ہے۔ اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہ کسی

یا اهل الكتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق۔ انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وکلمۃ اللہ القا الیٰ مریم وروح مقدس فاموا باللہ وادسلہ۔ ولا تقولوا للہ۔ انتموخیس لکم۔ انما اللہ احد، سبحانہ ان یکون لہ ولد (سورہ نساء آیت ۱۶۸) عقیدہ تثلیث عیسائی مذہب کی روح کا درجہ حاصل کئے ہوئے ہے، مسیح کی بھڑوں نے مسیح کی تمام تعلیمات کو بھلا کر ایک غلط عقیدہ کو اپنا دین و آئین تسلیم کر لیا ہے۔ عیسائی علماء اس بات کے معتقد ہیں کہ خدا کی ذات واحد اقدس قائم ثلاثہ پر مشتمل ہے! یعنی وجود، حیات اور علم، کہ باپ، بیٹا اور روح القدس، جس سے مراد ہے۔

قرآن حکیم نے عیسائیوں پر الزام لگایا کہ انہوں نے انجیل میں تحریر کی ہے۔ اور عیسائیوں کا یہ عقیدہ اس الزام کا ثبوت ہے جو برقی دنیا تک باقی رہے گا! اگر مائی نادانستہ طور پر اس عقیدہ کو روح مذہب کے طور پر اختیار کرتے تو بہت ممکن تھا کہ جب ان کے خلاف لوہر ثبوت یہ عقیدہ پیش کیا جاتا، تو وہ اس عقیدہ کا کارگردیتے، مگر آج تو عیسائیت کی ساری عمارت اسی سہارے کھڑی ہے، اس عقیدہ کا انکار تمام عمارت کے لئے ڈھانسیٹا ثابت ہو سکتا ہے، آج اس عقیدہ بنا پر عیسائیت بے بسی کے جس دودا ہے پکھڑی

حواری نے کسی ایک عیسائی کو بھی یہ تعلیم دی کہ تثلیث کا عقیدہ رکھو! چنانچہ میزان الحق مطبوعہ مرزا پورہ ۱۸۷۳ء باب ۲ فصل ۲۷ و مفتاح الاسرار مطبوعہ اکبر آباد ۱۸۵۰ء باب ۲ شروع فصل ۲۵ مصنفہ پادری فنڈرہ و ایضاً مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ مسیحیوں کے اعتقاد میں اس عہدہ مطلب کو تثلیث یا ثلاث واحد کہتے ہیں اور اگرچہ یہ لفظ بعینہ انجیل میں نہیں پائے جاتے۔ مگر اس انجیل کی اس عہدہ تعلیم کا عادت کے موافق ایسا نام ہوا۔ والبتہ عہد نامہ جدید میں تین مقام ایسے ہیں کہ جہاں لفظ تثلیث تو نہیں مگر باب ۱۰ اور روح القدس مذکور ہے۔ یعنی متی ۲۸ باب ۲۹ اور ۲ قرنتیوں کا ۱۳ باب ۱۴ میں دعا کے طور پر اور اول یوحنا ۵ باب ۷ میں صاف صاف، مگر اس صاف صاف کے الحاقی ہونے کے معتبر اور مقبول علماء عیسائی مقررین مثلاً پادری فانڈرہ صاحب۔

لابریری یوسف نارج ایک تالیفی کتاب کا نام ہے جو علماء کبھی کے اہتمام میں تالیف ہوئی۔ اور بحکم کبھی لندن میں ۱۸۳۷ء میں چھپی اس میں لکھا ہے کہ اسحاق نیوٹن نے پچاس صفحوں کا ایک رسالہ لکھا اور اس میں نامہ یوحنا اور یوس کے دو فقروں (حوالوں) کے بارے میں مسئلہ تثلیث کی تحقیق میں بحث کی۔ نیوٹن کا خیال ہے کہ کتابوں نے اس میں تحریف کی ہے! پادری مختصر ماتھرنے اردو بائبل مع افرس مطبوعہ مرزا پورہ ۱۸۶۹ء میں اول یوحنا ۵ باب ۷ کے حاشیہ پر صاف لکھا ہے کہ یہ الفاظ کسی قدیم نسخہ میں نہیں پائے جاتے۔

ان سب باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ یوحنا ۵ باب ۷ اور ۲ قرنتیوں کے ۱۳ باب ۱۴ کی عبارتیں الحاقی ہیں اصلی

اور قدیم نسخوں میں ان کا کوئی تیرہ نہیں۔ اب سوال ہو سکتا ہے کہ اگر عیسائی عقیدے کے موافق حضرت عیسیٰ کے بیٹے اولاد قائم ثلاثہ میں سے دوسرا اقنوم ہیں تو تیسرے اقنوم کا (جو روح القدس) ہیں! اور انجیل میں ان کا ذکر ہے ہونا محال عقل نہ ہو گا۔ مگر جب دوسرا ہی اقنوم ثابت نہ ہو تو تیسرے تک کیسے ثابت پہنچے گی! ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر قائم ثلاثہ میں سے ہر واحد کو ہر طرح کے کاموں کی قدرت ہے تو تین عدد مقررہ کرنے اور تخصیص تثلیث کی ضرورت ہی کیا رہی! اور اگر ہر اقنوم کو بطور خاص جہاد کاموں کی قدرت ہے تو ہر اقنوم کی شان اور قدرت میں ایک بھاری نقص لازم آتا ہے کہ ایک کا کام دوسرے نہیں کر سکتا تب ذات واحد خدا میں تثلیث کا تعین لازم ہوا اور یہ بات فادر مطلق کی شان کے خلاف ہے! اور خدائے واحد ایسے نقائص و معائب سے منزہ و پاک ہے۔

عیسائی اگرچہ خدائے واحد کی پرستاری کے مدعی ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ قائم ثلاثہ کی موجودگی میں حیوانیت کہاں رہی۔ اور پھر وہ کس طرح خدائے واحد کے پرستار ہو سکتے! عجیب بات ہے کہ ایک کے تین کہہ دینے پھر بھی ایک باقی رہا! اور عیسائی موصلاً اس کے جواب میں عیسائی طفل تسلی کے طور پر کہہ دیتے ہیں کہ خدائے اس بھید کو ہم سے اس لئے پوشیدہ رکھا کہ انسان کی عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

(مفتاح الاسرار مطبوعہ میگزین اکبر آباد ص ۱۵ و

ثانی ص ۳۱)

(باقی آئندہ)

تبلیغی کتابیں

کشف التلبیس مصنفہ مولانا سید ولایت حسین شاہ ضا دیوری۔
یہ کتاب شیعوں کے مشہور رسالہ "نور ایمان" کے
جواب میں لکھی گئی ہے شیعوں کا یہ رسالہ لاکھوں کی تعداد میں طبع ہو
کر ہزار ہائی دُجوانوں کی گراہی کا باعث بن چکا ہے شیعہ رسالہ
کی طرف سے سینوں میں نفرت تقسیم ہوتا رہتا ہے شیعوں کی اس ظلمت
کفر کا عقلی و نقلی دلائل سے مہذب پیرایہ میں تبلیغ رسالہ اس کتاب میں
موجود ہے شیعوں کے تمام مطامع و اعتراضات کے جوابات دیئے
گئے ہیں قیمت حصہ اول ۷ حصہ دوم ۸ حصہ سوم ۹ مکمل طلب کرنے
پر ہر حصہ لڑاکا علاوہ ۳۔

برق آسمانی سوانح و عقائد و عبادات و معاملات و کائنات
تفصیل کے ساتھ درج کئے گئے ہیں علاوہ ازیں خلیفہ نور الدین
اور مرزا محمود کے سوانح حیات اور ان کے عقائد و غیرہ بیان کرنے
کے بعد حیاتِ سر کے مسئلہ پر عقلی و نقلی دلائل جمع کئے گئے ہیں اس
کتاب نے مرزائیوں کا نا طبقہ بند کر دیا ہے قیمت ۸ محمولہ لڑاکا ۲
جمیدہ شمس الاسلام کا شیعہ نمبر المعروف

صواعقِ اسرافیل جو اگست ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا کہ خراج تحسین
کہ شیعہ صاحبان کے حق میں کہیں سست الفاظ استعمال نہیں کئے گئے
مختلف ذرائع گونا گوں حوالوں اور ان کی مستند کتابوں اور دیگر
مسلم مصنفین کی تحریروں سے ناقابل تردید مختصر اور جامع الفاظ
میں نقشہ کھینچا گیا ہے اور جس میں مسئلہ ح صحابہ و تبرہ پر قرآن
مجید احادیث نبی کریم احوال ائمہ سادات و فضیلت کے احکام کے ارشادات
اور عقلی و نقلی براہین سے مکمل روشنی ڈالی گئی ہے اور اسلامی
جہاد اور کابری ملک کے افکار و آراء کے اقتباسات کے علاوہ
سینہ صد سالہ اسلامی تاریخ میں سے بڑا بڑی کے ہونا کتابت
بیان کئے گئے ہیں حجم ۱۳۲ صفحہ قیمت ۸ محمولہ لڑاکا ۱

جام حیات حیاتِ بعد الموت کے جملہ مسائل قرآن کریم اور
حدیث نبوی علیہ السلام کی روشنی میں ایک

جامع اور دل آزارانہ طرزِ تحریر سے ہر کتاب تحریر کرائی گئی ہے جو
کہ ہر دو قہقین کیلئے مشعل ہدایت ثابت ہو سکتی ہے حضرت مولانا
ظہور احمد صاحب رحوم نے یہ کتاب مولانا محمد حسین رضا
شوق سابق صمد المہربین دارالعلوم عربیہ سے اپنی زیر نگہ رانی
تحریر کرائی تھی جو کہ اب کاغذ کی گرانی کے باوجود طبع کرائی گئی
ہے کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت صرف ۱ محمولہ لڑاکا ۱

قاتلانِ حسین اس میں نہایت محققانہ طریقہ سے حضرات
کی معتبر کتابوں کی مستند روایات سے ثابت
کیا گیا ہے کہ رسول خدا کے نواسے اور حضرت علی کے لختِ جگر حضرت حسینؑ
کو کہ بلا میں بلا کر طرح طرح کے مظالم میں مبتلا اور نہایت برہمی
سے شہید کر نیوالے شیعہ اور پیشوایان مذہب شیعہ تھے اس کتاب کو
ضرور دیکھئے تاکہ شیعوں کی شیعیت کی حقیقت کھل جائے صفحات
۹۶ کتاب تقریب طباعت دیدہ زیب کاغذ بہتر قیمت ۱۱ آنہ
محمولہ لڑاکا ۱

آخری پیغام حق حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
کی آخری تقریر جو پہلے شمس الاسلام کے
صفحات پر جلوہ گر ہو چکی ہے اور امید سے زیادہ مقبول ہو چکی ہے عام
افادہ کیلئے نمایاں شکل میں ہدیہ ناظرین کی گئی ہے آخری پیغام
حق کے متعلق حضرت سجادہ نشین نواسہ شریف تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت کرم مغفور کے آخری کلمات نصائح نہایت ہی گہرے ہیں۔
اور ناظرین کی ہدایت کے لئے مشعل راہ ہیں۔"
قیمت دس آنہ (۱۰) محمولہ لڑاکا ۱

تاریخ تصنیف یہ بکھڑی اس کتاب میں مرزا قادیانی کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے جو اس نے صوفیائے کرام پر لکھے تھے قیمت صرف ہر محصولہ ایک ار

اجتہادِ شخصیہ فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں جن میں دلائل واضح و باریک قاطعہ سے فرقہ ورفض و مرزائیہ کا اتہاد اور افضی و میرزائی سے سنی عورت کا نکاح ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔ حجم ۱۰ صفحہ قیمت ۳۰۰ محصول اک۔

تحفہ میرزا یحییٰ جبریل شمس الاسلام کے سہ ماہیہ کا ایلوشن
 میں نہایت عمدہ مضامین قادیانیوں کے رد میں درج ہوئے ہیں
 قیمت ہر محصول اک ۱۔
 مولانا پیر قطبی شاہ صاحب مذہب شیعوں کے سربراہ
 حقیقت شیعہ راہوں کا انکشاف۔ قیمت ۱۔

تیسری عیسائیوں کے مشہور رسالہ حقائق قرآن کا بلیغ رد
ہدایا القرآن نیز اس رسالہ کے ذریعہ مرنہ ایوں کے مغالطات
بھی دور ہو سکتے ہیں عیسائی لاکھوں کی تعداد میں حقائق قرآن کو
برائے مفت تقسیم کرتے ہیں لہذا ہدایات القرآن کی وسیع اشاعت
نہایت ضروری ہے۔ فی نسخہ ۲۔

رسالہ خیر جاری درود مذہبی خاکی

صاحب قیسی امرتسری قیمت ۱۰
مظالم قوم تصنیف مولوی محمد بخش صاحب سلم بی اے اس
 کتاب میں مصنف نے اچھوتوں پر ہندوؤں کے مظالم اور اسلامی مساوات

ملنے کا پتہ :- پینجر جریڈہ شمس

(بابت تمام غلام حسین ایڈیٹر پرنسپل پبلشر منیجر منوہر پرسن سرگودھا سے چھپ کر بھیرہ پنجاب سے شائع ہوا)

دوسری تعلیمات کو مؤثر پیرایہ میں بیان کر کے اچھوتوں کو اسلام کی دعوت دی ہے۔ قیمت ۵۔

اسلامی جہاد
راولپنڈی میں فوج محمدی کے عظیم الشان کیمپ منعقدہ
۱۰۰۹-۱۰۱۰ء میں انصار سپاہیوں سے آلہ
مکملہ الصوت پر خطاب جس میں اسلامی جہاد کی حقیقت اور فوج محمدی کے
نصب العین کو واضح کیا گیا ہے اور جہاد حاضر کی بعض اہم عسکری
تنظیموں پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے از مولانا طلحہ احمد صاحب
گلوبل امر مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ قیمت - ر

ضلع میانوالی کی اسلامی جماعتوں کے نمائندہ
خاکساری مذہب اجتماع کے موقع پر مقام میانوالی علماء کرام
 کی طرف سے خاکساری مذہب پر حقیقت افروز تبصرہ جو بصورت ٹریک شائع
 کر کے مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔ انمولانا ظہور احمد صاحب بگٹی امیر
 مجلس حزب الانصار بھروہ قیمت - -

خاکساری فقہ نے ہندوستان کے علماء کرام کو بیدار کیا جن کو
 پڑھ کر ہزاروں مسلمانوں کا ایمان مشرقی لمحہ کی منتبرہ سے محفوظ رہا
 اور جس کو دیکھ کر خاکساروں کی تعداد کثیر نے خاکساریت سے توبہ کر
 لی۔ اس کتاب کی مقبولیت عامہ کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے
 کہ تیس سال کے عرصہ میں چار دفعہ ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر کچھ
 ہاتھ بک گئی۔ یہ پانچواں ایڈیشن ہے جس کے ۹۷ صفحات ہیں اور مولانا
 پیرزادہ محمد بہار الحق صاحب قاسمی قیمت فی نسخہ ۴۰ محصورہ لاکھ ار

مشرقی فتنہ
مخدوم جناب غیاث اللہ مشرقی کے کفر پر درخیالات
پیر لاہور متفقہ انہ ظلم جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب
مودودی مدیر ترجمان القرآن قیمت فی نسخہ۔ رتی سینکڑہ صرف دو
روپے علاوہ محصول ڈاک۔

اسلام بھیرہ (پنجاب)